واصف علی واصف

گفتگو ۱۶

کاشف پبلی کیشنز

۳۰۱-اے جوہر ٹاؤن ○ لاہور

نام کتاب گفتگو-۱۶

مصنف .... واصف علی واصفؒ

سال اشاعت ۲۰۰۴ء

قیمت .... [illegible] روپے

سرورق شاہد رانے علی

ناشر

کاشف پبلی کیشنز

۳۰۱-اے' جوہر ٹاؤن' لاہور

ڈسٹری بیوٹر

خزینۂ علم وادب

الکریم مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

ہم اپنے آپ میں ہی تجھے ڈھونڈتے رہے

تیرے مسافروں کا سفر گھر میں کٹ گیا

(واصف علی واصفؒ)

عرضِ ناشر

عام طور پہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص لوگوں کے کسی بڑے اجتماع سے مخاطب ہوتو وہ ان سے ایسی بات کرے گا جو سب لوگوں کے لئے ہو کیونکہ وہ موقع کی مناسبت سے ایسا کرنے پر مجبور اور محصور ہوتا ہے۔ اس طرح وہ نیکی اور بھلائی کا پیغام سب لوگوں تک تو پہنچا دیتا ہے مگر فرد کی ذات کی سطح پر وہ اس سے مخاطب نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا امکان ہوتا ہے۔ اس طرح کسی ایک شخص کا جو ذاتی مسئلہ ہوتا ہے وہ حل نہ ہوسکنے کی وجہ سے اس شخص کے اندر ایک الجھن بن جاتا ہے اور یہ الجھن اس کے لئے بے سکونی اور اضطراب کا باعث بنتی ہے۔ قبلہ واصف صاحبؒ کی گفتگو فرد کے ذاتی مسئلے کے بیان اور سوال سے شروع ہوتی تھی۔ جب بھی کوئی شخص اپنی ذاتی مشکل لے کے آپ کے پاس آتا تھا تو آپ اس مسئلے کی وجہ اور اس کے نتیجے پر گفتگو کا آغاز کرتے اور پھر اس کا آسان اور دیرپا حل بتا کر آنے والے شخص کو اس الجھن سے نجات دلاتے۔ جب مزید لوگ شامل ہو جاتے تو بھی خلوت کی حامل اس گفتگو کا رنگ اسی طرح قائم رہتا اور ہر ایک فرد اپنے سوال کا جواب پا کر تشفی حاصل کرتا۔ جب افراد کی تعداد بڑھنے لگ گئی تو گفتگو کی اس مجلس نے باقاعدہ محفل کا رنگ اختیار کرلیا مگر اب بھی اس محفل

کا انداز، رنگ اور تاثر وہی تھا جو کہ ون ٹو ون ملاقات اور گفتگو کا ہوا کرتا تھا۔ ان محفلوں میں ہر شخص اپنا سوال، اپنا مسئلہ اور اپنی الجھن بیان کرتا اور پھر اس کا جواب حاصل کرتا۔ افراد کے بڑھنے کے باوجود قبلہ واصف صاحبؒ کی توجہ ہر فرد کی ذات پر ہوتی تھی۔ اس فرد کے اندر چھپے ہوئے دِقّت والے سوال باہر آجاتے اور پھر وہ اپنی مُراد پاکر نہال ہو جاتے۔ سوال جواب کا یہ سلسلہ باقاعدگی سے ریکارڈ ہوتا رہا اور آج کئی سال کے بعد جب یہ گفتگو قلم بند کر کے ترتیب دی گئی تو لوگوں نے ذاتی طور پر یہ مشاہدہ کیا کہ ہر فرد اپنے اندر ایک یا ایک سے زیادہ سوال رکھتا ہے اور ''گفتگو'' کے یہ والیوم ان سوالات کا جواب اب بھی اسی طرح فراہم کرتے ہیں جیسے اَسّی اور نوے کی دہائیوں میں ہوتا تھا۔ آج جب قاری فہرست میں موجود سوالات پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے اپنی ذات کے اندر پلنے والے مسئلے کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کے متعلق تفصیل پڑھ کے اس کا حل بھی پاتا ہے اور ایک پرتاثیر اور اسرار سے بھرپور علم سے بھی متاثر و مستفید ہوتا ہے۔ دین کے باطنی علوم اور ظاہری دنیاوی علوم کے حوالے سے مسائل پر مضبوط گرفت اور ان پر سیر حاصل گفتگو قبلہ واصف صاحبؒ کا انوکھا اور منفرد وصف تھا۔ یہی وجہ ''گفتگو'' کے سلسلے کی سیریز کی ہردلعزیزی کا باعث بن گئی، اس کی ہر نئی جلد کا ہمیشہ انتظار کیا گیا اور اُسے اس کے حق کے مطابق پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔ اب اس سلسلے کی سولھویں جلد پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ یہ بھی اپنے گذشتہ سلسلے کی طرح علم، یقین اور سکون کا پیغام ثابت ہوگی.....

فہرست

﴿ ۱ ﴾

﴿ ۲ ﴾

﴿ ۳ ﴾

﴿ ۴ ﴾

﴿ ۵ ﴾

﴿ ۶ ﴾

- اللہ کے راستے میں نیت اور خلوص کی کتنی اہمیت ہے؟ یہ خلوص کہاں سے ملتا ہے؟
- نفس امارہ کو نفس مطمئنہ میں کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے؟
- اسمائے الٰہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں گنتی کے ساتھ سو یا دو سو مرتبہ پڑھنا چاہیے۔

سوال:

اللہ کے راستے میں نیت اور خلوص کی کتنی اہمیت ہے؟

جواب:

دوا کو رب نے صحت کا ذریعہ بنایا ہے' دوا خود صحت نہیں ہے۔ اسی طرح خوراک پرورش کا ذریعہ ہے اور خوراک پرورش نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو آپ کے اردگرد منظر نامہ بنا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے مگر یہ اللہ نہیں ہے۔ یہ جو کاغذ پر ''اللہ'' لکھا ہوا ہے یہ بھی اللہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے اسم کا ایک فوٹو ہے یا عکس ہے۔ اس دین کے اندر شاندار واقعے کرنے والے' جان دے کر وہ واقعہ کرنے والوں نے' کہیں کربلا بنا دی' کہیں کوئی اور واقعہ بیان کر دیا' کسی Event کی Elaboration ہو گی' کوئی درویش پہاڑ سے اترتا اترتا آ کے جلوہ گری کر گیا' کہیں خواجہ صاحبؒ آ گئے اور کہیں داتا صاحبؒ آ گئے اور دین کی رونقیں لگاتے رہے۔ تو وہ دین کو آپ کے لیے ایک میلہ بنا گئے۔ گویا کہ دین میں ایک بات تو یہ ہے کہ Past کا' ماضی کا علم بھی آپ نے لینا ہے کہ Past میں کیا کیا ہوا تھا' پھر یہ بھی سوچنا ہے کہ Future مستقبل میں کیا ہونے والا ہے' کہ آپ کدھر کو جا رہے ہیں' دوزخ جنت' خیال اور اس کی درستگی۔ تو یہ سوچنا ہے کہ آپ کا Future کیا ہے' حال کا عمل کیا ہے۔ تو یہ سب آپ نے سوچنا ہے۔ یہ سارا کچھ

سوچتے سوچتے انسان کی عمر گزر جاتی ہے لیکن اس کو سمجھ نہیں آتی کہ کرنا کیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر دین کی سمجھ نہ بھی آئے اور آپ جب دین کے نام پر ایمان داری سے کوئی کام کریں یا دین کا رُخ بنالیں تو اللہ کو تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ دین کی طرف آ رہا ہے۔ ایسا شخص دین کے نام پر چل پڑا، مسجد اُدھر تھی تو وہ اُدھر چل پڑا۔ تو وہ خلوص کے ساتھ چلا اور اللہ تعالیٰ خیال کا رُخ پہچان لیتا ہے اور اس آدمی کو ثواب دیتا ہے۔ تو دین کی طرف مائل ہو جانا بھی بہت بڑی صداقت ہے چاہے دین سمجھ نہ آئے۔ یہاں آ کے آپ تبلیغ کرنے والے سے بچ جاتے ہیں۔ تبلیغ والا آپ کو Detail بتاتا ہے اور ہم آپ کو Intention بتاتے ہیں کہ آپ کی Intention کیا ہے، نیت کیا ہے، ارادہ کیا ہے، آپ کا ضمیر کیا ہے اور آپ کے اندر خلوص کتنا ہے، اس کی Detail، تفصیل یہ ہوتی ہے کہ آپ وہاں جائیں تو وہاں وضو والی جگہ ملے گی اور اس کے ساتھ نماز والی جگہ ملے گی، وہاں مسجد ہے، وہاں اذان ہوتی ہے، مسجد کے اندر نماز کا ٹائم ٹیبل لگا ہوا ہے۔ اور بزرگ کہتے ہیں کہ میں نیت کی اصلاح کر رہا ہوں۔ اگر اچھی نیت کے ساتھ آپ نے رُخ اِلی اللہ کر دیا تو سمجھو کہ آپ کا دین جو ہے وہ اللہ کے علم میں آ گیا کہ یہ شخص دین کی طرف آ رہا ہے۔ اُس کے بعد اللہ اُس شخص کو سنبھالتا ہے، اور پھر اس کو بچاتا ہے۔ تو اچھی نیت میں اچھا رُخ بنالینا جو ہے یہ بڑی اچھی قسمت ہے۔ تو سب سے بڑی صداقت کیا ہے؟ کہ رُخ صحیح ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی انسان کو آپ سبق سناؤ یا آپ اُسے کلمے سناتے رہو بلکہ اس نے فیصلہ خود کرنا ہے۔ آپ اگر نقلی طور پر اللہ کو یاد کر رہے ہیں تو نقلی نتیجہ ہوگا اور اگر اصلی یاد کر رہے ہیں تو اصلی نتیجہ ہوگا، اگر پیسے کے لیے یاد کر رہے ہیں تو پیسہ نتیجہ ہوگا اور

اگر رب کے لیے یہ سب کر رہے ہیں تو رب نتیجہ ہوگا۔ تو آپ جو کر رہے ہیں وہی نتیجہ ہوگا۔ فیصلہ کس نے کرنا ہے؟ آپ نے خود۔ یہ وہ دین ہے جس میں Cause ہی Effect ہے' Cause اللہ ہے تو Effect بھی اللہ ہوگا' وجہ اگر اللہ ہے تو نتیجہ بھی اللہ ہوگا اور اگر وجہ آپ کی کوئی اور مصلحت ہے تو پھر آپ کا نتیجہ بھی وہی مصلحت ہوگی۔ اب اس سے پہلے کہ آپ اللہ کا سفر کریں آپ کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ کا ارادہ جو ہے وہی آپ کی منزل ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس دین کے اندر ارادہ ہی منزل ہے' تو خلوص کے ساتھ ارادے پر کاربند ہونے والا چاہے وہ فارمولے میں ابھی نہیں آیا' ارادے کے اندر رہنے والا بھی منزل رسید ہو جاتا ہے۔ اس بات کو دل میں رکھنا اور یاد رکھنا کہ اگر ایک آدمی کے ارادے کا رخ اِلَی اللہ ہو گیا' اب اُسے پتہ نہیں کہ اللہ کدھر ہے' Direction کا پتہ نہیں کہ کدھر جانا ہے' بس کہتا ہے کہ اللہ کے پاس جانا ہے۔ ایک آدمی کا ارادہ ہو گیا کہ اللہ کی طرف جانا ہے تو وہ گھر سے باہر نکلا' پہلے آدمی سے ملا' کہتا ہے کہ کہاں جانا ہے' میں نے اللہ کی طرف جانا ہے' اللہ کہاں ہے؟ اب وہ اللہ کی طرف چل پڑا' بندوں سے پوچھ رہا ہے کہ میرا اللہ کہاں ہے' غیر متعلقہ سے بھی پوچھ رہا ہے' دیوار سے پوچھ رہا ہے' رستے سے پوچھ رہا ہے' بازار سے پوچھ رہا ہے اور اُسے خود کوئی علم نہیں ہے' صرف اللہ کا پوچھے چلا جاتا ہے' خود جانتا نہیں کہ اللہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ گائے سے پوچھتا ہے' بکری سے پوچھتا ہے' پہاڑوں سے پوچھتا ہے' چلتا جاتا ہے' آخر ایک جنگل میں پہنچ جاتا ہے' بھیڑوں سے پوچھتا ہے' شیر سے پوچھتا ہے' کہیں اُس کو اچانک ایک ایسا شخص مل جاتا ہے کہ جس سے پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تو کون ہے' ادھر

کیوں آ رہا ہے، اب بولو کیا چاہتے ہو؟ اب اللہ اُسے Watch کر رہا تھا۔ وہ جو سارا رستہ Sincerely اللہ کا پوچھتا چلا آ رہا تھا تو اس وقت اللہ اسے Watch کر رہا تھا۔ تو اس کی Sincerity ہی اللہ میں Culminate ہو گئی، گویا کہ اس کے خلوص کا نتیجہ اللہ ہے۔ خلوص اگر بے ترتیب اور بے محابہ بھی چل پڑے تو بھی اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ تو سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ اپنے خلوص کا جائزہ لیں اور یہ خلوص جو ہے بہت ضروری ہے۔ باقی کسی نے Notes کو Compare نہیں کرنا، تبلیغ کرنے والی کوئی بات نہیں ہے بلکہ اگر خلوص آپ کا اِلیٰ اللہ ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ منزل جو ہے وہ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو انجام اچھا دینا ہو اُس کے آغاز میں اُسے خلوص دے دیتا ہے۔ خلوص گمراہ نہیں ہوتا اور علم کے اندر غلطی کا امکان ہے۔ خلوص کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ خلوص جہاں بھی جائے گا وہ پہاڑ سے چشمہ نکال کے لے آئے گا۔ تو یہ خلوص کی بات ہے، آپ اپنے آپ میں اور اللہ کی تلاش میں مخلص بن جائیں، مزید مخلص بن جائیں، اگر بات سمجھ نہیں آ رہی تو اور مخلص ہو جائیں۔ کہتا ہے وہ آیت مجھے سمجھ نہیں آ رہی تو وہ کہتا ہے کہ تُو اور مخلص ہو جا۔ اور خلوص کو قائم کرتے کرتے ایک Time will come، ایسا وقت آ جائے گا کہ آیت سمجھ آ جائے گی، شانِ نزول بھی پتہ چل جائے گا بلکہ آیت کے نزول کا زمانہ بھی مل جائے گا۔ تو اس زمانے میں وہ زمانہ مل جائے گا۔ تو حال کے اندر جو آدمی دین کے ساتھ مخلص ہے وہ شخص ماضی کے خلوص کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ یہ بڑی ضروری بات ہے اور آپ اس پہ غور کریں۔ خلوص جو ہے یہی حاصل ہے اور یہی آغاز ہے، خلوص اِلیٰ اللہ، اپنی ذات میں Sincere، مخلص متلاشی ہونا، یہ بذاتِ خود ایک Achievement ہے، حاصل ہے۔

سوال:

یہ خلوص کہاں سے ملتا ہے؟

جواب:

پھر یہ سوال بھی ہوگا کہ کیا یہ Develop کیا جاتا ہے، بنایا جاتا ہے، کیا ایک شعبے میں خلوص حاصل کرنے کے لیے اللہ کافی نہیں ہے یا کہ ہر شعبے میں مخلص ہونا پڑے گا؟ تو ایک شعبے میں خلوص حاصل کرنے کے لیے ہر شعبے میں مخلص ہونا پڑے گا کیونکہ اگر میں آپ کے ساتھ خلوص کر رہا ہوں اور ادھر دوسرے کے ساتھ میں مخلص نہیں ہوں تو وہ کہے گا کہ آپ کا نام منافق ہے۔ منافق کی تعریف کیا ہے؟ جو ایک طرف خلوص کرے اور دوسری طرف خلوص نہ کرے۔ گویا کہ خلوص جو ہے یہ منافقت کے Against، مخالف ایک لفظ ہے۔ منافقت جو ہے کبھی مخلص ہو جاتی ہے اور کبھی مخلص نہیں رہتی، ایسا شخص کبھی مومن ہو جاتا ہے کبھی کافر ہو جاتا ہے اور وہ جو خلوص ہے وہ ہر ایک کے ساتھ خلوص ہے، خلوص رکھنے والا اگر بڑا جرنیل ہے تو اگر وہ اپنا جوتا خود پالش کرے تو وہاں بھی مخلص ہوگا۔ تو خلوص کا مطلب کیا ہوا؟ آپ اپنے آپ میں All round sincere ہو جائیں، اپنے ظاہر باطن میں مکمل Sincere ہو جائیں، جب آپ کسی کو کہیں السلام علیکم کہ خدا آپ پر سلامتی کرے تو اُس شخص کی سلامتی کی نگرانی بھی کریں۔ اس کی سلامتی ہونی چاہیے۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے والدین پر رحم فرما اور جب آپ یہ دعا مانگتے ہو تو خود بھی ان پر رحم فرماؤ "میری اولاد کو اللہ تعالیٰ نمازی بنانا" تو خود بھی نماز پڑھو اور اُن کو بھی نماز پڑھاؤ۔ اور جو کچھ آپ کہہ رہے ہو اُس کے ساتھ مخلص ہو جاؤ، الفاظ میں مخلص،

طرزِ خیال میں مخلص، طرزِ رہائش میں مخلص، رشتے داری کی پاسداری میں مخلص، آنے والے مہمان کے لیے بلکہ بلائے جان کے لیے بھی مخلص۔ مہمان کو بلائے جان نہ کہنا، پتہ نہیں شاید تم اُس کے دم سے قائم ہو اور تمہارے دم سے وہ آ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہارا چراغ جل رہا تھا تو اس لیے میں آ گیا ہوں۔ اگر چراغ بجھ گیا تو پھر کون آئے گا۔ چراغ جلنا جو ہے یہ آپ کے مقدر کی بات ہے اور آنے والا آپ کی زندگی کی آپ کو داد دے رہا ہے۔ اس لیے یہ پتہ نہیں کہ وہ تجھے زندگی دے رہا ہے یا تو اُسے زندگی دے رہا ہے۔ تو ہر چیز کے ساتھ خلوص ہونا چاہیے۔ قبر کے ساتھ بھی خلوص اور اپنی ذات کے ساتھ بھی خلوص ہو۔ تو مخلص آدمی جو ہے وہ کامیاب رہتا ہے۔ اب اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ جب حضور پاک ﷺ نے دیکھا کہ یہ جو کافر شروع شروع میں مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، راستے میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں، یہ لوگ اپنے کفر کے ساتھ بڑے Sincere ہیں۔ تو آپؐ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اِن کو مسلمان کر دے، مجھے ایسے لوگ ہی چاہئیں۔ مطلب یہ ہے کہ All round جو شخص Sincere ہے وہ جب مسلمان ہوگا تو اچھا مسلمان ہوگا۔ تو ثابت کیا ہوا؟ Basic بات یہ ہے کہ He who is a good man جو آدمی اچھا ہے وہی اچھا مسلمان ہوگا۔ تو خلوص جو ہے وہ All round ہونا چاہیے۔ آپ اپنے اندر سے غیر مخلصانہ باتیں نکال دیں۔ Say "No" when you mean "No". جب آپ ''نو'' کہنا چاہتے ہیں تو پھر ''نو'' ہی ہو اور جب ہاں کہنی ہے تو پھر ہاں ہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ''نو'' کہا تھا اور پھر کہتا ہے میرا مطلب ''ہاں'' ہی تھا یا ''ہاں'' کہا تو اب کہتا ہے کہ میرا مطلب ''نو'' تھا یا یہ کہ ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے'، کل بھی آ گئے تھے اور آج

پھر آ گئے ہو''۔ جب خوشی ہے تو خوشی ہونی چاہیے۔ الفاظ وہ کہو جو آپ کا مطلب ہوں اور مطلب وہ ہو جو الفاظ ہوں' ابہام نکال دو اور ایک بات پر دوسرے معنی کا لباس اتار دو۔ جیسی بات ہو اُسے ویسا ہی رہنے دو' اصل میں جو واقعہ ہے وہی بیان کرنا چاہیے۔ تو گواہی بھی صحیح دو' جو واقعہ دیکھا ہے وہی بیان کرو' جو سوچا ہے وہی بیان کرو' الفاظ کی ذُو معنویت سے بچو اور ابہام بولنا بند کر دو۔ اور یہ جو ذُو معنویت ہے یہ بعض اوقات بڑی خطرناک ہو جاتی ہے اور یہ ابہام بن جاتی ہے۔ تو اپنے ظاہر کو باطن میں نہ چھپاؤ اور باطن کو ظاہر کے ذریعے نہ چھپاؤ۔ یہ دونوں باتیں نہیں ہونی چاہییں۔ یہ دو الگ الگ بیماریاں ہیں یعنی ایک تو یہ ہے کہ ظاہر کو چھپانا باطن کے حوالے سے یعنی کوئی پوچھے کہ کیا آپ عبادت کر رہے ہیں تو آپ کہتے ہیں عبادت تو نہیں کر رہے ہیں' ہم تو کچھ بھی نہیں کر رہے۔ مطلب یہ کہ جو ظاہر داری نظر آئی ہے اُس کو چھپا دو اور جو باطن کے اندر خباثت ہے اُسے ظاہر داری چھپا جاتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر میں وہ عبادت کر رہا ہوتا ہے' بڑے High وظیفے کر رہا ہوتا ہے اور باطن کے اندر بیماری ہوتی ہے' شیطان ہوتا ہے۔ تو اگر چور تسبیح لے کے بیٹھا ہو اور عبادت کر رہا ہو اور کوئی اِدھر اُدھر ہوا تو چوری کر لی تو یہ ہے باطن کی خباثت۔ لہٰذا ظاہر اور باطن کا فرق کم کر دو' تو پھر آپ کے اندر خلوص پیدا ہو جائے گا۔ جو رشتے عمر کے حساب سے بزرگ ہیں یا رشتے کے حساب سے بزرگ ہیں' وہ آپ کو پسند کے حساب سے بھی بزرگ ہونے چاہییں۔ پھر خباثت نکل جائے گی۔ یعنی جو لوگ عمر میں اور مرتبے میں بلند ہیں وہ آپ کے خیال میں بھی بلند ہونے چاہییں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ جاہل ہوں لیکن ماں باپ مرتبے میں بلند ہیں تو اُن کا

مرتبہ بلند ہے۔ آپ دل سے یہ مان لو۔ کیونکہ ایسا حق ہے اور اللہ نے ایسا بنایا ہے۔ یہ یادرکھنا چاہیے کہ وتعز من تشاء وتذل من تشاء تو اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو عزت عطا فرمائی یا جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت آ رہی ہو اُن لوگوں کو برا نہ سمجھنا' چاہے وہ کتنے ہی برے نظر آ رہے ہوں کیونکہ اس میں راز ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی عزت کے سامنے ذرا خاموش ہی رہنا۔ اگر اس وقت کوئی کہتا ہے کہ یہ آدمی اچھا نہیں ہے تو درویش اُسے کہتا ہے بات تو ٹھیک ہے لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اس کے لیے اوپر سے Favour آ رہی ہے' کسی بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر احسان کر رہا ہے۔ اب اگر یہ پتہ چل جائے کہ عزت اللہ کی طرف سے عطا ہو رہی ہے تو خاموش رہنا۔ ایک عطا ہوتی ہے آزمائش' یعنی فرعون کو جو بادشاہی ملی تھی وہ آزمائش تھی اور حضرت سلیمانؑ کو جو بادشاہی ملی وہ عطائے ربانی تھی۔ اب یہ بات آپ کو جاننی چاہیے کہ کون سا مرتبہ آزمائش ہے اور کون سا مرتبہ عطا ہے۔ اگر یہ پتہ چل جائے کہ اللہ کی طرف سے عطا اور مہربانی ہے اور کسی شخص کی عزت افزائی ہو رہی ہے تو وہاں خاموش ہو جانا۔ آج جس کو اللہ تعالیٰ نے رجیم کہہ دیا ہو' لعین کہہ دیا ہو' اُس کی سفارش مت کرنا۔ کسی پیغمبر نے آج تک شیطان کی سفارش نہیں کی کہ یا اللہ یہ مردود تو ہے پر اس کو بخش دے' معاف کر دے' تُو قادر ہے' رحیم ہے۔ کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ یا اللہ فرعون کو معاف کر دے۔ جب اللہ تعالیٰ نے برہم ہو کے فیصلہ Announce کر دیا اور Get out اور Shut up کرا دیا تو وہاں سفارش نہیں کرتے۔ گویا کہ اللہ کی رضا کے آگے کہیں اپنا Opinion' خیال نہ کھڑا کر دینا' اگر اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر فضل کرنے والا ہے تو آپ اپنے خلوص کے ساتھ اپنا سفر کرتے جائیں۔ تو ہر

ایک کو پہچانو کہ یہ کیا واقعہ ہے' عزت والے کی عزت کرو یعنی جس کی اللہ عزت کر رہا ہے۔ اور جو رجیم ہو گیا تو اُس کو Avoid کرو' یہ کہو کہ یا اللہ مجھے معاف کرنا' اعوذ باللہ پڑھو اور یہ پڑھتے جاؤ۔ آپ دیکھو کہ کچھ جگہیں ہوتی ہیں عبرت کی جگہیں' تو آپ وہاں سے بچو۔ کچھ ایسی جگہیں ہوتی ہیں جہاں پتہ نہیں ہوتا کہ یہاں کون رہتا تھا۔ کہتے ہیں ایک خانقاہ سی بنی ہوئی ہے' دیے اور چراغ جل رہے ہیں' لوگ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا یہاں کیا ہے؟ کہتا ہے یہاں ایک بزرگ ہوتے تھے جو فوت ہو گئے ہیں اور اب یہ ان کی خانقاہ ہے۔ اسی طرح ہزار سال ہو گئے ہیں' یہاں داتا صاحبؒ ہوتے تھے۔ وہ کیا کرتے تھے؟ وہاں جدھر خوشبو ہے وہاں جا کے پتہ کرو کہ وہ نیکی کیا ہے' فضل کیا ہے' کہ آج تک بھی فضل ہی فضل ہو رہا ہے' وہاں جانا' بغیر کسی بات کے چلے جانا لیکن بغیر انعام کے کوئی خالی نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی بات ہے کہ اگر دریا میں جاؤ گے تو خالی کیسے آؤ گے۔ تو اُن مقامات کو پہچاننا جہاں سے اللہ کا فضل گزرا ہے اور اُن مقامات سے گریز کرنا جہاں اللہ کی گرفت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بتا رہا ہے کہ فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین تو یہ عاقبت دی کس نے ہے؟ اللہ نے۔ وہ کہتا ہے دنیا میں دیکھو کہ جھوٹوں کی کیا عبرت ہوئی ہے۔ جھوٹوں کو عبرت یا سزا کس نے دی ہے؟ اللہ کہتا ہے میں نے خود دی ہے۔ جن جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا ہو اُن مقامات کو آپ خاموشی کے ساتھ عبرت کی نگاہ سے دیکھو! اللہ تعالیٰ جو ہے اپنی شانِ بے نیازی میں جب کہیں چاہے باغیوں کو اس مقام پر لا کھڑا کرتا ہے' بڑے بڑے محلات جو ہیں وہاں پر اُلو بول رہا ہے' محلات اپنے آپ سے خود ڈر رہے ہیں' تنہائیاں وہاں پر

ڈر رہی ہیں' خوف طاری ہے یعنی کہ جہاں پر زندگی تھی وہاں ہولنا کی ہے' اِن باتوں کو غور سے دیکھو کہ بادشاہ کا مقام کیا مقام تھا اور وہ ظل سبحانی تھا آنجہانی تھا بلکہ فانی ہی تھا۔ اب دیکھو یہ اللہ کی طرف سے کیا ہوا پڑا ہے۔ تو نیک مقامات میں رہو' برے انسان' برے مناظر' برے مقامات اور بری باتوں سے صرف گریز کرنے میں مخلص ہو جاؤ تو تمہیں انعام مل جائے گا' صرف Avoid کرنے کی نیت کر لو تب بھی انعام ہے' یہ کہنا کہ یہ بات ہم نے نہیں مانی اس لیے ہم وہاں جاتے نہیں ہیں۔ یہ صرف ڈسپلن کی بات نہیں کہ کسی کو ڈنڈا لے کے سمجھایا جا سکے اور اُسے برا بھلا کہا جائے۔ تو کسی انسان کو برا نہ کہنا۔ خود بھی برائی سے بچو اور اگر دوسرے کی اصلاح محبت سے ہو سکتی ہے تو کرو ورنہ ڈسپلن یا خوف نہ طاری کرنا۔ یہ دین میں منع ہے۔ وہ خوف خلیفۃ المسلمین طاری کرے گا' جب بھی وہ آئے گا' بس ایک چابک یا چھانٹا لگا دے گا۔ آپ آرام سے بیٹھے رہو۔ تو اللہ کے راستے کی ابتداء خلوص سے ہوتی ہے۔ خلوص کیسے حاصل ہوتا ہے؟ یہ All round ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں غیر مخلص طریقہ چل ہی نہیں سکتا۔ جب حدیث شریف اکٹھی ہو رہی تھی تو حدیث شریف کے ایک Compiler جن کا بڑا Well known نام ہے' وہ ایک جگہ پر گئے' اُس نے ایک حدیث Quote کی کہ یہ ہم نے سنا ہے' اور پھر انہوں نے وہ بات چھوڑ دی کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ انہوں نے وہاں یہ دیکھا تھا کہ حدیث کے اس راوی نے گھوڑے کو بلایا کہ جس طرح دانہ دے رہا ہے مگر اس کی گودی میں دانہ نہیں تھا' یعنی گھوڑے کو اُس نے بلانے کے لیے جھوٹی دعوت دی۔ تو آپ نے کہا کہ یہ حدیث اس کے ہاں معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ بندہ معتبر نہیں ہے جو جانور کو دانے کی دعوت دے رہا ہے اور دانہ اس

کے پاس ہے نہیں۔ تو یہ جھوٹا آدمی ہے۔ تو اس حد تک بھی جھوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ شام کو کھانا کھلائیں گے اور شام کو اُسے کھانا نہ کھلائے تو پھر یہ جھوٹ ہے۔ یعنی کہ سرسری اور مذاقاً بھی زندگی میں جھوٹ نہ ہو۔ تو مخلص ہو جانا بذاتِ خود ایک Achievement ہے اور اللہ کا فضل ہے۔

اب آپ اور سوال کریں۔ سوال کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کے بولنے سے ان کو بھی زبان مل جاتی ہے جو خود نہیں بولتے۔ اس طرح کسی کا سوال کسی اور کے کام آتا ہے۔ اس طرح عقل اور علم ملتا ہے۔ اگر ہمارے ساتھ اب سوال جواب ہو گیا تو آنے والے زمانے میں یہی سوال کسی اور کا جواب بن جائے گا۔ پھر وہ آپ کو دعا دے گا کہ آپ کا بھلا ہو کہ آپ نے یہ سوال کر دیا حالانکہ آج یہ میرا سوال ہے۔ آج اگر ۱۹۹۰ء میں سوال ہو رہا ہے تو دس سال کے بعد اس کی کتابیں بن جائیں گی' کتابیں پھر یہ بتا دیں گی۔ تو آج کا سوال کہیں اور جا کے جواب بن جائے گا۔ اس لیے یہاں سوال جواب ہوتے ہیں۔ یہاں پر آپ کا تعلق بڑا واضح ہے اور آپ پوچھ لیتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ ہم یہ نہیں کر رہے ہیں کہ پیسے جمع کر لیں اور سارے عمرہ کر آئیں یا پاکستان کے سب مزاروں سے مل جل کے ہو آئیں۔ پروگرام تو سارے بن سکتے ہیں لیکن یہاں پر جو پروگرام ہے وہ خیال کا پروگرام ہے' یہ غور کرنے کے لیے کہ کہیں کوئی نہ کوئی گرہ خیال کے اندر باقی نہ رہ جائے' اس لیے اُسے Wipe out کر دو......

اس لیے آپ سارے لوگ سوال پوچھیں ...... میں آپ کو ہمیشہ آسان آسان بات بتاتا ہوں۔ اگر بدی کے سرزد ہونے کا امکان ہو اور انسان اُس سے بچ جائے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے واقعات بھی ساتھ

ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ ایک ایک پیغمبر کی کیا کیا خوبی تھی' کیا کیا واقعات تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ دیکھو کہ بادشاہِ وقت کے ساتھ انہوں نے کیسے مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو باتیں بتا دی ہیں وہ سمجھانے کے لیے ہیں کہ اگر بادشاہِ وقت آ جائے فرعون آ جائے تو پھر طریقہ یہ ہے۔ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ تم نے تو میرے گھر میں نمک کھایا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ تو بھی اللہ کا کھانے والا ہے اور میں بھی اللہ کے ہاں سے کھانے والا ہوں' میں تو اسی مالک کے ہاں سے کھاتا ہوں' اور تُو تو میرا قاتل ہے اور میں ہوں کہ میں مقتول نہیں ہوا تیرے سے' تو میرا اتنا قاتل ہے کہ میرے نام پہ تُو نے کئی ہزار بچے قتل کر دیے' محض اس لیے کہ میرا اشائبہ تھا' تو میرے امکانات کو قتل کرتا رہا ہے اور میں تیری حقیقت بن کے یہاں بیٹھا ہوں' تو تُو اب یہ کیسے کہہ سکتا ہے' تجھے اس بات کی کیا سمجھ کہ بات کیا ہے' بات کچھ اور ہی ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو وہاں کھڑا کر دیا گیا۔ اب یہ بڑی بات ہے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے جانے پہچانے لوگ تھے۔ فرعون یہ سمجھتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام عمر میں چھوٹے ہیں کیونکہ اس کے گھر میں پلے ہوئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام اُس کے دبدبے کو بھی جانتے تھے کہ وہ بادشاہ ہے' ہر شے پر طاقت رکھتا ہے' قاتل بھی ہے' گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے عمل کی صداقت کا پکا یقین ہے کہ اس آدمی کا قتل ہونا بہت بہتر ہے' Common man کے لیے بہتر ہے یعنی جس نے ایک موسیٰ علیہ السلام سے بچنے کے لیے شہر کے سارے بچے قتل کر دیے تو اُس آدمی کے بادشاہ رہنے کا کیا فائدہ۔ تو اس کے اندر Civil بات بھی ہے۔ Civil' معاشرتی بات کیا ہے؟ کہ شہر کے لوگوں کے بچوں کا قاتل جو ہے اُس کا ہٹ جانا ہی بہتر ہے' یہ جہاد ہے۔ شہر کے بچوں کا قتل کرنا' چاہے بیماری سے قتل

کرو، چاہے ویڈیو سے قتل کرو، چاہے تعلیم سے قتل کرو، تو جو بادشاہ شہر کے بچوں کے قتل کے لیے بیماری پھیلا رہا ہے اُس کا ہٹ جانا ہی بہتر ہے۔ ورنہ کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کے بچے خراب ہو جائیں گے، کام تو خراب ہوا پڑا ہے۔ پتہ ہے آپ کو؟ کچھ عرصے کے بعد آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ کہاں رہ گئے۔ زمانہ بڑی دور لے جا پہنچے گا اور آپ لوگ Antique بن جاؤ گے یعنی کہ پرانے لوگ بن جائیں گے، Antiquity والے پرانے لوگ رہ جائیں گے کیونکہ زمانہ آگے نکل گیا۔ اب آپ لوگ بھی تو بڑے عجیب لوگ ہیں کہ بچے ذرا بڑے ہوئے اور آپ نے کہا کہ اُس کو بھیج دو انگریزی سکول اور پھر انگریزی ملک۔ تو آپ پہلے سکول بھیج دیں گے، پھر شہر سے باہر بھیج دیں گے اور پھر پاکستان سے باہر بھیج دیں گے تاکہ وہاں جا کے یہ ٹریننگ حاصل کر آئیں۔ اور دعا یہ کریں گے کہ یا اللہ ہماری اولاد کے ساتھ نتیجہ اسلام ہی ہونا چاہیے۔ اب اللہ تو مہربانی فرمائے گا مگر کچھ آپ بھی اپنے آپ کی سلامتی کا سوچیں۔ ورنہ وہ جو فرق پیدا ہو گیا، تعلیم کا فرق پیدا ہو گیا، وہ فرق جو ہے نمایاں ہو جائے گا۔ پھر Behaviour کا فرق پڑ جائے گا۔ ایک بچہ دارالعلوم کا پڑھا ہوا اور دوسرا بچہ انگلش میڈیم کا پڑھا ہوا ہو تو دونوں میں فرق پڑ جائے گا۔ طرزِ رہائش میں بھی فرق پڑ جائے گا۔ تو میں اس بادشاہ کی بات کر رہا ہوں جس بادشاہ نے تمہاری فصلوں کو، کھیتوں کو یعنی بچوں کو غیر تعلیم کی طرف مائل کر دیا اُس کی کیا خیر ہونی ہے۔ آپ یہ سب بڑی خوشی سے کرتے رہے اور آپ کو پتہ ہی نہیں چلا کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یا تو اس سے آپ کی انکم کے مسائل حل ہوتے مگر وہ بھی نہیں ہوئے۔ غریب تو آپ پہلے ہی ہیں بنیادی طور پر، اور تعلیم غیر اسلامی دیتے رہے ہیں، رجوع بھی غیر

اسلامی ہے تو اسلامی نتیجہ کدھر سے آئے گا۔ اور جو اسلامی تعلیم دے رہے ہیں' جامعہ کے ساتھ ہی مال جمع کرتے جا رہے ہیں۔ یہ تو ایسے ہے کہ جمع مالا وعددہ۔ سارے مال جمع کرنے میں شامل ہوئے پڑے ہیں' اس لیے ان کی آواز میں اثر نہیں رہ گیا' علماء کے پاس اثر نہیں رہ گیا۔ بس یہ ہوا کہ اتنی بڑی بلڈنگ بنا دی' اعلیٰ قسم کی بلڈنگ۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر رحم کرے' آپ وہ ہیں کہ داتا صاحبؒ کے مزار پر سنگِ مرمر لگائے بغیر آپ کو چین نہیں آیا۔ وہ بزرگ تو سادہ تھے' معززین تھے اور پیدل چل کے آنے والے تھے۔ وہاں مزار پہ آپ نے پنکھا لگا دیا' مزار ائرکنڈیشنڈ کر دیا اور پھر لگا دیا سنگِ مرمر۔ Data Sahib did not want it. داتا صاحبؒ کو یہ سب نہیں چاہیے' یعنی کہ داتا صاحبؒ جو روح کی دنیا کے اندر ایسے مقام پر ہیں کہ Does he need any airconditioner کہ انہیں ائیرکنڈیشنر نہیں چاہیے۔ مگر آپ نے اُس سسٹم کو اُٹھا کے نئے سسٹم میں داخل کر دیا۔ یہ آپ کا کام ہے۔ اسلام آباد کی مسجد میں آپ نے بڑا فانوس لگا دیا اور آپ کی نمازوں کے اندر پتہ نہیں فانوس لگا ہے کہ نہیں' تو یہ الگ بات ہے۔ کہتا ہے یہ مسجد دیکھنے والی چیز ہے مگر مسجد دیکھنے والی چیز تو نہیں ہوتی ہے بلکہ نماز تو پڑھنے والا کام ہے' مسجد وہ ہے جہاں خلوص والا سجدہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے وہ واقعہ ختم کر کے رکھ دیا اور اب آپ کے پاس صرف ڈیزائن رہ گیا ہے' آپ کے پاس اس کی پختگی رہ گئی ہے' آپ کے پاس عمارت رہ گئی' رنگ رہ گئے' روپ رہ گیا اور یہ کہ

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی

تو آپ لوگوں نے یہ کام کر دیا۔ اس لیے آپ غور کریں کہ آپ میں ملاوٹ

ہے۔ آج کے دور میں' اسلام کے بہت قریب کے زمانے کے بہت بڑے آدمی بھی' اگر آج موجود ہوں تو آپ لوگ انہیں نہیں پہچانیں گے۔ آپ اس حد تک' خطرناک حد تک اسلام سے دور ہو چکے ہو کہ اسلام کے قریب کے زمانے کا اگر کوئی آدمی آپ کے پاس سے گزرے تو آپ پہچان نہ سکو گے۔ تو کوئی بھی بزرگ' اسلام کا قدیم بزرگ اگر آپ کے پاس آ جائے تو آپ کہیں گے کہ ان کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ اس لیے آپ نے انہیں پہچانا نہیں ہے۔ آپ جن کو پکارتے ہیں یاد کرتے ہیں "یا ولی" کرتے رہتے ہیں "یا علیؑ" کرتے رہتے ہیں اگر وہ آپ کے قریب آ جائیں تو آپ نے انہیں پہچاننا ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی آپ کو جَو کی روٹی کھاتا ہوا مل جائے تو آپ کہو گے کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ تو آپ کے پاس اُس زمانے کا' اُس دور کا' اُس طرزِ زندگی کا بندہ آ جائے تو آپ پہچان ہی نہیں سکتے۔ اور آپ کلمہ پڑھتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ حضور پاک ﷺ کے نام پر سب کچھ دینے کو تیار ہوتے ہیں اور اگر آپ کے پاس سرکارِ دو عالم ﷺ کا کوئی جانشین' اس طرزِ رہائش کا آ جائے تو آپ کبھی اس کو ووٹ نہ دو گے کیونکہ اس کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ اگر وہ کہے کہ ہم کلمے کے وارث ہیں' ہم اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب ﷺ کے گھر کے جانشین ہیں' ہم آپ سے ووٹ لینے آئے ہیں اسلام کے نام پر' تو اے اسلام کے ماننے والو! ہم اسلام کے مالک ہیں' ہمیں ووٹ دو۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو مشکل بات ہے' پیسے دو تو پھر ووٹ ملے گا۔ پھر آپ کا دین تو ویسے ہی ختم ہو گیا۔ اب دین کی بات نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔ تو آپ کس دین کے نام پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر آپ دین کے نام پر زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ کہے کہ میں خود ہی آ رہا ہوں تو

آپ وہاں سے بھاگ جائیں گے۔ اگر کوئی کہتا ہے یا علیؑ مشکل کشا' جیسا کہ قوالی ہو رہی ہو تو لوگ کہتے ہیں۔

من کنت مولیٰ فھذا علی مولیٰ

تو وہ رقص کرتے ہیں اور یہ کہتے رہتے ہیں۔ اگر مولا علیؑ خود ہی تشریف لے آئیں اور فرمائیں کہ تمہارا رقص منظور ہو گیا' تم نے بہت اچھا رقص کیا اور میرے نام کو یاد کیا' اب مرنے کا وقت آ گیا ہے' تم تیار ہو جاؤ' اب قوالی کا وقت نہیں ہے...... آپ پھر بھی کہتے رہیں گے کہ "یا علیؑ مدد"۔ اس طرح آپ Actual مولا علیؑ کو چھوڑ کر صرف یہ پکارے جاؤ گے کہ "یا علیؑ مدد"۔ تو مطلب یہ ہے کہ فرضی کلمہ آپ کے پاس قائم ہے اور اگر آپ کو کہیں اصلی کلمہ مل جائے تو یا وہ نہیں یا پھر آپ نہیں۔ یہی آپ کا کھیل ہے اور آپ بڑے خطرناک لوگ بن چکے ہیں۔ تو آپ لوگ اس بات سے بچیں ورنہ حال یہ ہے کہ آپ کو اگر اصلی کلمہ کہیں مل جائے تو یا وہ آپ کو مارے گا یا آپ اسے مارو گے۔ اصلی کلمہ ہے اسلام۔ کہیں سچا اسلام آپ کو مل جائے تو یا تو آپ بھاگ جائیں گے یا پھر وہ بھاگ جائے گا۔ تو ایسے مسلمان اور اسلام کے درمیان ملاقات نہ ہو تو یہ بات اچھی ہے' ورنہ ان دونوں میں سے ایک رہے گا کیونکہ بیک وقت یہ دونوں آپس میں ملنے والے نہیں ہیں۔ اس بات کا سب کو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ ایسے ہے کہ نہیں ہے؟ کیا پتہ ہے کہ نہیں ہے' کیوں نہیں ہے بلکہ بالکل ایسا ہے۔ اسلام کا منشاء جو معاشرہ ہے کیا یہ وہ معاشرہ ہے؟ یہ وہ معاشرہ بالکل نہیں ہے۔ تو اسلام کے منشاء کا یہ معاشرہ نہیں ہے اور اسلام کو آئے ہوئے کتنے سو سال ہو گئے؟ چودہ سو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اب یہ نہ کہنا کہ چودہ سو سال میں جو دین اپنی منشاء کو

Achieve نہیں کر سکا وہ کیا دین ہے۔ دین تو بالکل ٹھیک ہے لیکن تم ٹھیک نہیں ہو۔ اگر چودہ سو سال میں تم اس میں شامل نہیں ہو سکے تو پھر اپنے آپ کو دیکھو۔ اگر چودہ سو سال میں Pure دین حاصل نہیں کر سکے تو کیا ایک فقرے میں حاصل کرنا چاہتے ہو۔ آپ کی تبلیغ یہ ہے کہ ''کلمہ سنا ورنہ میں چاقو مار دوں گا''۔ یہ جو تبلیغ ہے یہ کیا تبلیغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو Intention ہے اسلام کی، وہ رائج نہیں ہو سکی، آپ لوگ اسلام کی تعلیم کا نظام نہیں چلا سکے، آپ لوگ اسلام کی معیشت کا پروگرام نہیں چلا سکے، یہ نہ کہنا کہ یہ تو حکومت کا کام ہے۔ چلو یہ بات مان لیتے ہیں لیکن یہ بتاؤ کہ کیا آپ کے اپنے پاس جو پیسہ موجود ہے اس کو Purely، خالص اسلام کی منشاء کے مطابق خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں؟ آپ نے کہنا ہے کہ یہ بڑی مشکل بات ہے، بچوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ چلو اس کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ کیا آپ اپنی زندگی کے چند سال جو آپ کے پاس ہیں ان کو اسلام کے نام پر Devote کرنا چاہتے ہو؟ کیا اب تک آپ یہ کر رہے ہیں؟ اگر نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ کیا آپ اپنے سچ کو جھوٹ سے بچائیں گے؟ آپ کہیں گے کہ کوشش کریں گے۔ صرف کوشش ہی کیوں کرو گے، پورا کیوں نہیں کرو گے۔ کیا آپ وعدے کے مطابق کام کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اسلام پر آپ کا وجود بوجھ تو نہیں بن گیا؟ آپ تو Obey وہاں کرتے ہو جہاں کرنا نہیں ہوتا اور جہاں Obey کرنا ہے وہاں کرتے نہیں ہو یعنی جسے ماننا ہے اسے دل سے مانتے نہیں ہو، اور جہاں Fight کرنا ہے وہاں Fight نہیں کرتے ہو۔ اگر اللہ اور پیسوں کے درمیان ایک کو چننا پڑ جائے تو بہت سے لوگ اللہ کی بجائے پیسہ لے کے چلے جائیں گے۔ جاتے وقت وہ یہ کہیں گے کہ اللہ تو مالک

ہے، بادشاہ ہے، وہ پھر راضی ہو جائے گا، اور پیسہ پتہ نہیں پھر ملے نہ ملے، خدا جانے پھر زندگی میں یہ موقع آئے نہ آئے۔ تو کوئی نہ کوئی اچھا وقت آنا چاہیے۔ اب میرا خیال ہے وقت آ رہا ہے، وقت آ گیا ہے کہ دُعائیں مانگنے والے مانگنا شروع ہو گئے کہ یا اللہ! منافقین کو زندگی کے بوجھ سے فارغ کر۔ سب کو کہنا چاہیے ''آمین''۔ لیکن ابھی آپ نہ کہنا، آپ یہ اس وقت کہنا جب آپ کے اندر سے منافقت نکل جائے۔ تو آپ بہت زیادہ دعا کریں کہ آپ کے اندر سے منافقت نکل جائے کیونکہ منافقت کے خلاف فقراء کا Resolution پاس ہونے والا ہے تاکہ منافقت جو ہے یہ پہچانی جائے اور پھر مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے۔ یعرف المجرمون بسیمھم ۔ تو منافق آسانی سے پہچانا جائے گا۔ آپ اس چیز سے بچیں اور اپنی منافقت کو نکال دیں، درست کر لیں، سچ کو سچ کہیں اور جھوٹ کو جھوٹ کہیں، اپنے کو اپنا کہیں، کسی کو دوست کہا ہے تو دوستی کرتے جائیں اور دشمن کہا ہے تو احتیاط کرتے جائیں۔ تو اپنے آپ میں Sincere ہو جائیں۔ اس طرح مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ورنہ تو سزا آنے والی ہے۔ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم سے اسلام کو ہٹا دے تو کیوں نہ منافقین کو ختم کیا جائے۔ تم لوگوں نے تو اسلام کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا، اسے ایسا بنا دیا ہے جو وہ تھا ہی نہیں، اسلام کو اتنا بڑا علم بنا دیا گیا ہے کہ انسان پڑھ پڑھ کے پاگل ہو جائے۔ پھر اگر کوئی کہے کہ میں اسلام کو پڑھنا چاہتا ہوں، تو پہلے کتاب اللہ کا مطالعہ کرے، پھر اللہ کی کتاب کا فلاں ترجمہ، پھر تھوڑی سی تفسیر۔ تفسیر کس کی پڑھیں؟ تو وہ کہیں گے آپ لے لو احمد رضا خان بریلویؒ کی، آپ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اور آپ مولانا قادری صاحبؒ کی تفسیرِ قادری لے لو۔ تو یہ ساری پڑھ لو۔ کہتا ہے میں

ساری کیسے پڑھ لوں گا، میں ساری تفسیریں پڑھنے چلا تو آدھی زندگی تو یوں گزر جائے گی۔ کہتا ہے چلو میں حضور پاک ﷺ کے نام کی تفسیر کر لیتا ہوں، اسمائے حسنیٰ پڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد فقہ کی باری آ جاتی ہے۔ پھر علوم ظاہری اور علوم باطنی ہیں، علومِ مخفی ہیں۔ پھر چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی سلسلے ہیں۔ تو آپ یہ سارے واقعات کرو، اور دن صرف چوبیس گھنٹے کا ہے جس میں آٹھ گھنٹے سونا بھی ہے۔ روٹی کھانے کے لیے ٹائم نہیں ہے، پکانے کی تو الگ بات ہے۔ آج کل کے انسان کی عمر ٹریفک میں گزر جاتی ہے، کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے۔ اگر کوئی خالی دریا کے کنارے صرف بیٹھا رہے تو صرف لہریں گنتے گنتے عمر گزر جاتی ہے۔ اور جو شخص دوکان میں بیٹھا ہوتا ہے اس کی عمر ٹریفک کی لہریں گنتے گنتے گزر جاتی ہے، وہ بوڑھا ہو جاتا ہے، کرسی پہ بیٹھے بیٹھے انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو پڑھتے پڑھتے آپ کی عمر گزر جاتی ہے۔ اسلام کے اوپر کتابوں کی لائبریری بناؤ تو کتنی بڑی لائبریری بنے گی؟ میرا خیال ہے کہ کئی ملین کتابیں آپ کو مل جائیں گی۔ تو اتنی کتابیں پڑھنے کے لیے موجود ہیں۔ تو کیا اسلام کاروبار ہے؟ کیا اسلام تعلیم ہے؟ کیا اسلام لٹریچر ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ایک ایکسٹرا بوجھ اور آزمائش ڈال دی ہے، ایسی آزمائش کہ جس میں اللہ نہیں ہے اور کتابیں ہی کتابیں ہیں۔ اور اگر اللہ ہے تو ہر شے آسان ہو جائے گی۔ آپ یہ دیکھو کہ کیا کتابوں کے ذریعے اللہ سے ملاقات ہوتی ہے۔

لوگ جب حج کرنے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ کئی واقعات ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ نے حاجی سے پوچھا کہ کیا تمہیں وہاں اللہ بھی ملا۔ تو وہ کہتا ہے کہ آپ کس طرح کی باتیں کرتے ہو...... ایک آدمی نے کہا جب میں حضور پاک ﷺ

کے آستانے پر گیا تو مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ پھر اس سے پوچھا کہ جب تم اللہ کے پاس گئے تو کیا کوئی نیا ارادہ کر کے آئے؟ کوئی نئی توبہ کر کے آئے؟ کوئی نیا شگون لے کے آئے؟ وہ کہتا ہے وہاں سے واپسی پر اللہ نے ایسا سبب بنا دیا کہ میں نے ایک ایسی چیز خریدی کہ کرایہ برابر ہو گیا اور خرچہ نکل آیا۔ اس لیے دین کو آپ لوگوں نے اور طرح کا بنا دیا۔

اگر ایک آدمی آپ میں سے ایسا ہو جائے جو اپنے لفظ کے ساتھ Sincere ہو تو قوم بچ سکتی ہے' اسی طرح جو اپنے خیال کے ساتھ Sincere ہو' جو اپنی تنہائی کے ساتھ Sincere ہو' ایسا مسلمان ہونا چاہیے جو اپنی تنہائی کا مسلمان ہو' محفل میں تو لوگ بڑے مسلمان ہوتے ہیں لیکن تنہائی کا مسلمان ہونا چاہیے یعنی جس کی تنہائی اور جس کی محفل برابر ہو' جس کی خلوت اور جلوت برابر ہو جائے وہ مسلمان ہو' اس وقت کا بس وہی تو مسلمان ہے۔ تو آپ مسلمانوں کا اتنا بڑا گروہ ہو کہ پاکستان کے اندر اتنے کروڑ مسلمان ہیں' ہندوستان میں اس سے زیادہ کروڑ مسلمان ہیں' بنگلہ دیش میں بھی کئی کروڑ مسلمان ہیں۔ کشمیر میں بھی کتنے مسلمان ہیں' تو یہ سارے اتنے کروڑ آدمی ہیں پھر بھی آپ کیا کر رہے ہیں؟ اسلام کے نام پہ کیا کر رہے ہیں؟ ایک آدمی اگر آج مسلمان ہو گیا تو کیا فرق پڑا۔ آپ کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک عیسائی نے مولوی صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ تو پہلے قبول یافتہ کدھر چلے گئے۔ یہ Time ہے کہ آپ To be vigilant and to be sincere ہو جائیں ہوشیار اور مخلص ہو جائیں۔ اب آپ غور کریں کہ آپ نے کرنا کیا ہے۔ پیسہ آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا' خوراک آپ کو موت سے نہیں بچا سکتی' زندگی آپ کو موت سے نہیں بچا سکتی' موت سے تو

موت ہی بچائے گی کہ صرف موت روکے گی آنے والی موت کو' کہ ہم اس کو بعد میں لے جائیں گے۔ تو آپ کی موت آپ کی حفاظت کرتی ہے' کوئی کام' ایسا کام کرلو جو اللہ کے نام کا' دین کے نام کا ہو ورنہ زندگی تو جا ہی رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ سب کچھ چھن جائے سب کچھ چھوڑ دو۔ To be very frank and very sincere۔

سوال:

مجھے ایک مرتبہ یہ مشاہدہ ہوا کہ ......

جواب:

آپ اپنے مشاہدات کو سنبھال کے رکھیں Till such time اس وقت تک کہ یا تو وہ مشاہدہ سوال بن جائے یا آپ کا ساتھی بن جائے۔ ورنہ بیان کرنا جو ہے یہ Too early ہے۔ ابھی آپ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ دیکھیں گے۔ داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک بات سمجھ نہیں آ رہی تھی' بڑا تلاش کیا کہ بات کیا ہے' اصل کیا ہے' راز کیا ہے یہ کیا ہے' وہ کیا ہے۔ تو مکاشفہ نہیں ہو رہا تھا۔ ہم ایک مزار پہ چلے گئے کیونکہ وہ راز نہیں کھلتا تھا۔ یہ واقعہ ''کشف المحجوب'' میں ہے۔ میں ایک طرف بیٹھا تھا۔ وہاں کچھ درویش نما لوگ بیٹھے تھے جو خربوزے کھا رہے تھے۔ وہ خربوزے کھاتے گئے اور چھلکے مجھ پر پھینکتے گئے۔ میں چپ کر گیا اور بات کو پی گیا۔ جب بات کو پی گیا تو مجھے وہ راز مل گیا۔ وہ سوال یہ تھا کہ روشنی کے آستانوں پر تاریکی کیوں ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ملا کہ تیری استقامت کو پختہ کرنے کے لیے۔ روشنی روشنی ہی ہے۔ پھر بزرگ دو چار رگڑائیاں لگا کے' دو چار رندے لگا کے تیرے کس بل ٹھیک کر دیتے ہیں۔ تو

رندوں کا گلہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری صفائی اور تیری درستگی کرتے ہیں۔ تو اصلی روشنی تو روشنی ہی ہے۔ جاگنے والے کے پاس جا اور رونے والے کو نہ دیکھ' اللہ کی دنیا میں اللہ کے پاس چلا جا ورنہ دنیا سے اللہ ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ والوں کے لیے بھی یہی دنیا ہے اور غیر اللہ کے لیے بھی یہی دنیا ہے۔ اب تم پہچان لو کہ تم کون ہو۔ کہیں تم تبصرے والے نہ بن جانا۔ تبصرے والا ایک اور طرف چلا جاتا ہے۔ تو آپ تبصرے سے بچ جائیں۔ آپ بزرگوں کے آستانوں پر پختہ ایمان کے ساتھ جایا کریں۔ وہاں کمزور ایمان والا انسان ڈانواں ڈول ہو کے مر جاتا ہے اور پختہ ایمان مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ تو وہاں آپ پختہ ایمان کے ساتھ جایا کریں اور وہاں پر عام باتوں کی طرف توجہ نہ کیا کریں۔ اپنے ایمان میں طاقت ور ہو جاؤ۔ تگڑے ہو جاؤ...... چلو اب اور سوال پوچھ لو...... پوچھو۔

سوال:

نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ میں کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

آپ یہ خود نہیں کر سکتے بلکہ یہ خود ہی اپنے وقت پر ہو جاتا ہے۔ آپ کے لیے ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ جس لڑکے کی' جوان کی منگنی ہو جائے وہ اور طرح سے سوچے گا اور اگر زیادہ عمر کے انسان کی منگنی ہو جائے تو وہ اور طرح سے سوچے گا۔ اگر آپ کو کوئی اچھا محبوب مل گیا جو کہ نیک ہو تو آپ کا نفس امارہ وغیرہ سب غیب ہو جائیں گے کیونکہ اس نیک محبوب کو راضی کرنے کے لیے یہ انسان خود بخود ہی نیک ہوتا جاتا ہے۔ تو دعا کریں کہ کوئی اچھی محبت مل جائے تا کہ آپ خود بخود ٹھیک ہو جائیں۔ تو دعا کریں کہ اچھا سبب مل جائے' اچھا انجام

مل جائے، اچھی منزل مل جائے اور اچھا رفیق مل جائے۔ اگر اچھا رفیق مل جائے تو وہ تو آدھی منزل ہوتا ہے، اُسے رفیق طریق کہتے ہیں یعنی راستے کا ساتھی۔ اچھا ہم سفر مل جائے تو انسان نیک ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو اچھی بیوی مل جائے تب بھی وہ نیک ہو جاتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ اگر رات کو تہجد پڑھنی ہے تو وہ آپ کے لیے پانی گرم کر دے گی، مصلیٰ تیار ملتا ہے، تو آپ نماز پڑھ لیں۔ اگر وہ شخص ایک دن نماز نہیں پڑھے گا تو اس کی بیوی شرمندہ کرے گی، دوسرے دن نہیں پڑھے گا تو پھر شرمندہ کرے گی۔ اگر بیوی چاہے تو بندہ نیک ہو جائے گا اور اگر بیوی چاہے تو بندے کو گمراہ بھی کر سکتی ہے۔ تو یہ سبب یہیں سے پیدا ہوتے ہیں اور یہیں سے آپ کو نیک بنانے والا آئے گا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ علم کتابوں سے نہ حاصل کرو بلکہ Wait کرو۔ آپ نے اگر نفسِ امارہ کو مطمئنہ بنانا ہے تو دروازے میں بیٹھ جائیں، پھر وہ آنے والا آئے گا اور خود بخود اس کو ٹھیک کر جائے گا۔ تو واقعی وہ آدمی آئے گا، نگاہ ملائے گا اور پھر آپ کا نفس جو ہے وہ مطمئنہ ہو جائے گا۔ یہ وظیفے سے نہیں ہوتا کہ نفسِ امارہ جو ہے وہ مطمئنہ بن جائے۔ نفس ایک ''اتھرا'' گھوڑا ہے جسے کہتے ہیں کہ نفس کا گھوڑا منہ زور ہے اور وہ آدمی جو کاریگر ہوتا ہے، اس کا علم رکھتا ہے اس نے گھوڑے کو ذرا تھپکی دی اور گھوڑا اصیل ہو گیا۔ اب اس میں علم کوئی نہیں ہے بلکہ اس کو یہ فن آتا ہے۔ اب یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے کیسے ٹھیک کر دیا، اس نے نگاہ سے ٹھیک کر دیا، پاس سے گزرا تو گھوڑا اصیل ہو گیا۔ اس لیے آپ یہ دعا کریں کہ آپ کو اصیل بنانے والی کوئی ذات مل جائے۔ جب کوئی ایسا بندہ مل جائے تو نفسِ امارہ ختم ہو جاتا ہے، خود بخود نمازیں شروع ہو جائیں گی، مصلیٰ بچھنا شروع ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص

گھر بیٹھا ہوا اور اس کو کسی نے وی سی آر کی فلمیں تحفے میں لا کر دیں تو وہ تو آپ کے حالات خراب کر دے گا اور اگر تحفہ لانے والا مصلیٰ لایا، تسبیح لایا...... ایک اور آدمی بلکہ دو تین آدمی تسبیح اور مصلے لے آئے تو آپ کو شرمندگی سے نماز پڑھنی پڑ جائے گی۔ ایسا کرتے کرتے انسان نیک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی پیر صاحب ہوں، ان کے پاس جو مرید آئے ہوئے ہیں ان کو رعب دیا ہوتا ہے پیری کا، اور اگر وہاں پر اذان کا ٹائم آ گیا تو پیر کے لیے فرض بن گیا، لازمی ہو گیا اور ضرورت بن گئی کہ وہ جماعت کرائے یا جماعت میں شامل ہو کیونکہ یہ تو اس کی سماجی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر مرید کہیں کہ پیر صاحب جو ہیں یہ قرأت بڑی شاندار کرتے ہیں، قرآن پاک پڑھتے ہیں تو کیا بات ہو جاتی ہے، تو پھر پیر صاحب کو قرآن مجید پڑھنا پڑ جاتا ہے۔ اس لیے وہ گمراہ نہیں ہوتے۔ اگر Inefficient ہوں تو ہوں یعنی روحانیت کا اتنا علم نہ ہو، روحانی تجربات اور مشاہدات نہ ہوں لیکن عام طور پر، وہ شرعی طور پر گمراہ نہیں ہوتے۔

تو ان مشائخ کی محفل میں عام اور سادہ آدمی بھی محفوظ رہتا ہے۔ یہ میں مستند مشائخ کرام کی بات کر رہا ہوں کہ جن کے آستانے ہیں اور جو مشائخ ہیں۔ تو وہ واجبی بات کرتے ہیں اور دین کے اندر رہنے والی باتیں کرتے ہیں۔ سارے، کلھم ایسا کرتے ہیں۔ تو آپ اچھی صفت میں ہیں اور اچھی صفت میں رہنا ہی کافی دین ہے۔ تو آپ سب لوگ ایسی باتوں پہ غور کیا کریں، اللہ تعالیٰ کا ایک اسم جو ہے وہ ضرور پکارتے رہا کریں۔ اگر آپ سارا ہفتہ ''یا عزیز'' پڑھتے رہا کریں تو آپ کے کاروبار محفوظ رہیں گے، طبیعت محفوظ رہے گی اور مزاج محفوظ رہے گا۔ اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ورد ہے اس لیے اللہ کی طرف

سفر بھی ہوتا رہے گا یعنی خیال کا سفر بھی ہوتا جائے گا اور عمل بھی ہوتا جائے گا۔ تو وہ قوت بھی ہے اور غالب بھی ہے' اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے' طاقت والا ہے' عزت والا ہے' دینے والا ہے اور غلبے والا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے جتنے اسماء ہیں ان کا آپ باری باری ورد کر سکتے ہیں۔ اگر ننانوے اسماء کا ورد کرنا ہے تو ایک ہفتہ ایک اسم کا ورد کیا کریں۔ یہ کل ننانوے ہفتے کی بات ہے۔ تو ایک ایک ہفتہ ایک اسم کا ورد رکھو جاری اور دوسرے ہفتے دوسرا نام' تو پھر آپ اسماء باری تعالیٰ کے قاری بن جائیں گے۔ پھر ایک خاص واقعہ بن جائے گا' نیکی ہو جائے گی' مشاہدہ ہو جائے گا۔

سوال:

اسمائے الٰہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں گنتی کے ساتھ سو یا دو سو مرتبہ پڑھنا چاہیے۔

جواب:

آپ بغیر گنتی کے پڑھیں' ہمہ حال پڑھیں' اللہ کے نام' اسمائے ربانی ہر حال میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے اسماء کی بات بعد میں بتاؤں گا' وہ اور حساب ہے......

جب انسان دنیا کی باریکیوں میں اور دنیا کی پیچیدگیوں میں Involve ہو جائے' گھر جائے تو اس میں سے اپنے آپ کو نکالے۔ وہاں پر اس کے Collapse ہونے کا ڈر ہوتا ہے' تو وہاں پر اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارو۔ ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ میں آئندہ تو حرام کا' رشوت کا پیسہ نہیں لوں گا لیکن یہ جو اس پیسے سے میں نے دوکان بنالی ہے اس کا کیا کروں' اس میں کچھ

پیسے میرے اپنے بھی ہیں۔ میں نے پوچھا رشوت کے پیسے کتنے تھے؟ اس نے وہ پیسے بتائے تو میں نے کہا اتنے پیسے تم اللہ تعالیٰ کو دے دو۔ کہتا ہے سمجھ نہیں آتی، دینا بڑا مشکل ہے۔ اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرو کہ یا رب العالمین میں آئندہ رشوت کا کوئی پیسہ نہیں لوں گا۔ میں نے کہا جس پوسٹ پہ تو ہے یہ پوسٹ بدل لے اور اس دوکان کا ایک شعبہ، ایک حصہ کسی غریب، بیوہ کی مدد کے لیے وقف کر لے۔ اس نے یہ کر لیا اور پھر اس کو اس مدد کا اتنا لطف آیا کہ اب اس کی بہت سی دوکانیں ہیں اور کتنے ہی لوگوں کی مدد کرتا ہے، کہنے لگا میں نے دو دوکانیں مدد کے لیے ریزرو کر دی ہیں۔ تو اگر نیت ٹھیک ہو جائے تو غلط Structure بھی سارے کا سارا ٹھیک ہو جاتا ہے مثلاً اگر آج آپ کو بات سمجھ آتی ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا میں کیا کروں جو پہلے کر چکا ہوں۔ تو اسے آج سے ٹھیک کرو تو وہ سارا درست ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ جو ہے وہ منوانے والا ہے اور ماننا بھی بڑی بات ہے، تو یہ رونقیں بھی اللہ نے پیدا کی ہیں۔ وہ کہیں انگریزی پیدا کرتا ہے، کہیں اردو پیدا کرتا ہے۔ یہ سارے اللہ تعالیٰ کے جلوے ہیں۔ آپ اللہ سے رجوع رکھو تو آپ کے اس کام کی اصلاح بھی وہی کرائے گا یعنی جو غلطیاں ہو چکی ہیں۔ صرف مخلص ہونے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دور کی جدت کے ساتھ ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا کہ تم غریب ہو جاؤ، پرانے زمانے کے ہو جاؤ، نئے دور تو وہ خود آپ ہی پیدا کرتا ہے کل یوم ھو فی شان تو وہ اتنی خوب صورتی والا اللہ ہے، پہاڑوں والا، پھولوں والا، کلیوں والا اور تتلیوں والا ...... سورج کا نکلنا اور ڈوبنا اتنا خوب صورت ہے کہ آج تک اس کے مناظر ختم نہیں ہوئے۔ سورج نکلنے کا منظر اگر کروڑ ہا دفعہ ریکارڈ کریں تو ہر دفعہ نیا

ہوگا اور ڈوبنے کا منظر بھی نیا ہوگا۔ بادلوں کے بڑے بڑے نظارے لوگوں نے دیکھے ہیں، فوٹو لیے ہیں لیکن بادلوں میں آج تک اتنے نظارے پائے جاتے ہیں کہ کوئی حساب ہی نہیں۔ اور اس نے آسمانوں میں قوس وقزح کے رنگ ڈال دیے کہ کمال کی بات ہے۔ تو جو کچھ آپ کے پاس حسن ہے وہ آسمان سے نازل ہوا The sky gives beauty to Earth آسمان جو ہے زمین کو حُسن دیتا ہے، بیوٹی آسمان سے آتی ہے اور عبادت زمین سے اوپر کی طرف جائے گی۔ آپ عبادت کرتے جائیں اور رونق لگاتے جائیں، آسمان آپ کا اپنا ہی ہے، ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ سورج جو آپ کو روشنی دے رہا ہے تو آپ روشنی کا کچھ نہ کچھ تو فائدہ اٹھائیں اور یہ یاد رکھنا ہے کہ آپ کے پاس وقت تھوڑا ہے۔ ہر چیز یہاں کی فانی ہے اور میلہ دو دن کا ہے اور یہ جو دو دن کا میلہ ہے اس کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ پھر آدمی اکیلا ہی اکیلا ہے اور اس دو دن میں سے ڈیڑھ دن گزر بھی گیا ہے۔ اب آپ اس میں خدا کی طرف رجوع کر لیں، خدا کے لیے، خدا کا سفر شروع کر دو۔ اپنے آپ کو اور اپنی تنہائی کو محفوظ کر لو کیونکہ جب آپ کا آخری وقت آنا ہے تو آپ نے تنہا رہنا ہے۔ اور پھر آپ ہوں گے اور آپ کی تنہائی ہوگی، حساب کتاب ہوگا، کوئی آدمی ساتھ نہیں ہوگا، قبر ہوگی، تاریکی ہوگی اور خدا جانے کیا کیا ہوگا۔ تو اس لیے اُس وقت سے پہلے بہت کچھ کر لو۔ اور آج توبہ تو ضرور ہی کر لو کہ یا اللہ تو ہمارے گناہ معاف فرما دے، یا اللہ ہمیں اپنی طرف راستہ دے، اپنی منزل دکھا، اپنے محبوبوں کا راستہ دکھا، اپنا راستہ دکھا، ہم سے برائیاں دور فرما، ہمارے اندر جو آلائشیں ہیں ان کو دور فرما یا رب العالمین...... اور ہمیں تو اپنا بنا لے بلکہ ہمارا ابھی تو آپ ہی بن جا، تو خود ہی ہمیں دین پہ لگا دے

اور خود ہی ہمیں رزلٹ دے دے، خود ہی بلا لے اپنی راہ پر اور خود ہی سنبھال لے تو خود ہی سارے کام کر دے۔ تو نے خود ہی ہمیں اسلام کے اندر داخل کیا، خود ہی مسلمان بنایا، خود ہی تو نے حضور پاک ﷺ کو بھیجا، تو خود ہی ہمیں منزل عطا فرما۔ تو یہ سارا کام اس نے خود ہی کرنا ہے۔ آپ استغفار کرتے جائیں اور شکر کرتے جائیں اور کہیں کہ جو ہم سے غلطیاں ہو گئی ہیں اس سے ہم توبہ کرتے جا رہے ہیں اور یا اللہ تو مہربان ہے ہم تیرے مہربان ہونے کا شکریہ ادا کرتے ہیں ......

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه ونورِ عرشه افضل الانبیاء والمرسلین حبیبنا و سیدنا و سندنا و شفعینا ومولنٰا محمد وآلہٖ واصحابه وازواجه و علیٰ اھلِ بیتِ عترتهٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین.

۲
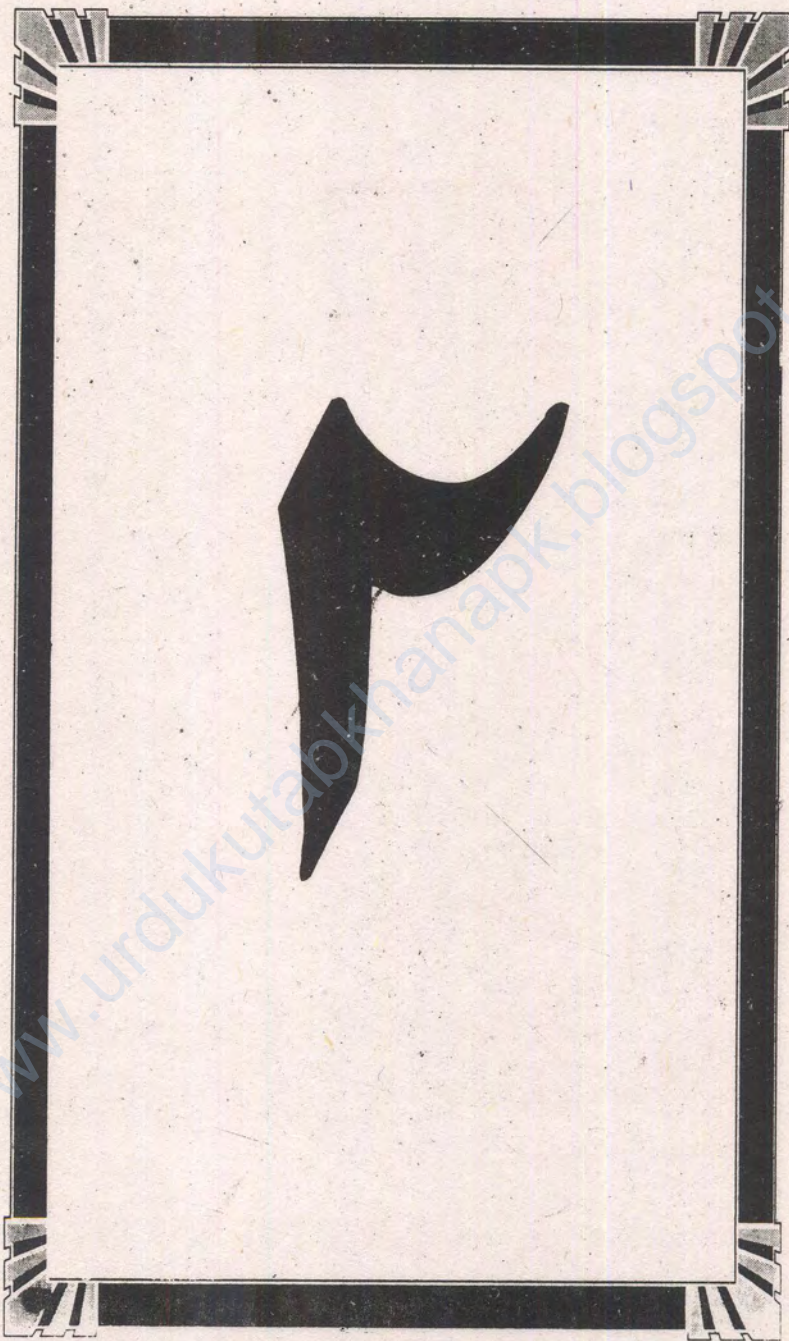
- ہمارے اردگرد کی کائنات میں اور اس دشوار ماحول میں ہم کیسے راضی رہیں اور کیا دعا مانگا کریں؟
- رحمتِ حق کس طرح انسانوں کے کام آتی ہے؟
- غم کی صورت میں انسان اللہ کے قریب کیسے ہو سکتا ہے؟
- سر! شکر کی کیا صورتیں ہیں؟
- فیض کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟
- کیا ہم لوگوں کو اس پیغام کی تبلیغ کیا کریں؟

سوال:

ہمارے اردگرد کی کائنات میں اور اس دشوار ماحول میں ہم کیسے راضی رہیں اور کیا دعا مانگا کریں؟

جواب:

ایک وقت کے بعد ہر شخص کو کمزوری ہو جائے گی چاہے وہ طاقت کی دوائیاں بیچتا ہو یا ڈاکٹر ہو' اگر آنکھوں کا ایکسپرٹ ہو تو اس پر بھی موتیا اتر آئے گا۔ طاقت ور قواء میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور بھاگنے دوڑنے والا انسان بھاگنے دوڑنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں جب آنکھیں کمزور ہو جائیں تو یہ چہرے نظر نہیں آتے۔ ایک آدمی نے گھر میں باغ لگایا' بڑی عمر سے تقاضا تھا کہ گھر میں گلاب کھلے۔ اسے ایک آدمی ملا تو اس نے کہا کہ ایک زمانے میں میری خواہش تھی کہ گھر میں گلاب ہوں اور اب میری یہ خواہش آخر میں پوری ہوئی ہے لیکن اب میری Smell خراب ہوگئی ہے یعنی وہ جو میری قوتِ شامہ تھی وہ سونگھ نہیں سکتی اور پتہ نہیں چلتا کہ گلاب کی خوشبو کیسی ہے اور نہ مجھے گلاب کا رنگ نظر آتا ہے۔ عمر کم رہ گئی اور بینائی کمزور ہوگئی۔ کہتا ہے سب حاصل تو ہو گیا ہے مگر عمر تو حاصل نہیں ہوتی۔ یہی ایک واقعہ ہے انسانوں کا کہ وہ جو چیز اللہ سے مانگتے

ہیں مانگتے ہی چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز حاصل ہونی چاہیے۔ ایسا ہوتے ہوتے ایک دن ایسا آتا ہے کہ آپ نہیں رہتے۔ سب سے بڑا غم سب سے بڑی خوشی میں ملتا ہے یعنی جتنی بڑی خوشی ہوتی ہے اتنا بڑا اس کا غم بنتا ہے۔ خوشی کو آپ بیٹی کہہ لیں جس نے جدا ہونا ہے۔ بیٹی جتنی پیاری ہوگی بڑا غم دے کر جائے گی۔ غم اسی سے بنے گا جس سے خوشی بنتی ہے اور کوئی خوشی ایسی نہیں ہے جو ہمیشہ رہ جائے کیونکہ وہ رہ سکتی نہیں ہے اور رہ جائے تو خوشی نہیں ہے۔ صرف ایک خوشی ایسی ہوتی ہے جو ہمیشہ رہتی ہے اور وہ ہے اللہ کے ذکر کی خوشی، اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی خوشی۔ اور جو اللہ کے فیصلوں پر راضی رہ جائے اس کو کوئی غم نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے فیصلے اُس کے ہیں اور یہ فیصلے آپ کے تو نہیں ہیں۔ اب جو آدمی اللہ کے فیصلوں پر راضی ہو جائے اس کے لیے دعا کیا ہے اور تکلیف کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ چیز جس سے دعا کی منظوری ہوتی ہے اللہ کریم نے وہ چیز آپ کو دے دی۔ کوئی آدمی یہ دعا نہیں کرتا کہ یا اللہ مجھے راستے میں نظر آئے کیونکہ سب کو آنکھیں لگی ہوئی ہیں، لہٰذا نظر آجاتا ہے۔ تو آپ دعا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ مجھے راستہ نظر آئے یا یہ کہ یا اللہ میری دعا ہے کہ لقمہ میرے منہ میں دے دیا جائے۔ جو جو کام آپ کر سکتے ہیں اس کے لیے دعا نہیں کرتے اور جو نہیں کر سکتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ تو یہاں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ یا تو راضی ہو جاؤ اور جو نہیں کر سکتے اُسے مالک کی مرضی سمجھو کہ نہیں ہوتا اور پھر درویش ہو جاؤ یا پھر مالک مانے نہ مانے وہ کام کر کے رہو۔ لیکن ایسی اطاعت میں بغاوت ہے۔ یا پھر مالک کو راضی کر لو کہ یہ کام میں نے لے کے رہنا ہے، پھر اس کا نتیجہ آپ کی اپنی ذمہ داری ہے۔ حدیث شریف کا ایک حوالہ ہے کہ

اللہ کریم سے کبھی دعا کے ذریعے بادشاہت نہ مانگو کیونکہ اگر دعا کے ذریعے بادشاہت مل گئی تو اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہوگی' اس اختیار کے اندر ہونے والے جرائم اور واقعات کی ذمہ داری تمہاری ہوگی۔ اور اگر وہ عطا کردے تو وہ خود ہی حفاظت فرمائے گا۔ مطلب یہ کہ اس حد تک منع کیا گیا ہے کہ ایسی دعا نہ کرنا۔ ایک واقعہ سناتا ہوں تاکہ آپ کو سمجھ آجائے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ ایک درویش نے اپنے مرید کو یہ کہا کہ تو جو حج کرنے جارہا ہے' جہاں مقبولیت کا مقام آئے وہاں دعا نہ کرنا ...... وہاں ایک مقام مقبولیت کا ہے جہاں جو بھی دعا کی جائے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ ...... تو پیر صاحب نے کہا کہ جب وہاں جاؤ تو دعا نہ کرنا۔ اس مرید نے بات تو سنی لیکن جب اس مقام پر پہنچا جہاں دعا کی قبولیت کا مقام تھا تو اس نے اپنے شیخ کی بات کو نظر انداز کر دیا' دعا مانگی اور وہ دعا قبول ہوگئی۔ وہ بیٹا جو دعا سے مانگا تھا' پندرہ سال کی عمر میں اس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ مر گیا۔ یہ شخص پاگل ہو کے قبر پر کپڑے پھاڑ کے بیٹھ گیا۔ وہاں وہ درویش آ گیا اور پوچھا بولتا کیوں نہیں؟ مرید کہتا ہے کہ جی میرا بیٹا مر گیا۔ درویش نے کہا تجھے کہا تو تھا کہ دعا نہ مانگنا' پندرہ سال پہلے جو دعا مانگی تھی یہ اس کا انجام ہے' میں دیکھ رہا تھا کہ دعا کے یہ امکانات ہیں مگر تم نے دعا کے ذریعے وہ مانگا اور پھر یہ حادثہ گزرا' اب اس کو برداشت کر' اب روتا کیوں ہے۔ مدعا یہ کہ آپ باز نہیں آتے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ آپ کی کتنی عمر ہوگئی ہے لیکن اس عمر تک بھی ابھی خواہشیں پوری نہیں ہوئیں اور ایک اور خواہش کا وقت آنے والا ہے' پھر آپ کا Time up ہو جائے گا' وقت ختم ہو جائے گا۔ ابھی ٹائم کی Allocation پوری نہیں ہوئی ہے' آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے وہ کام کیا ہی

نہیں جس کام کے لیے آپ آئے ہیں اور وقت جو ہے ختم ہوتا جا رہا ہے اور پھر وہ آ کر کہتا ہے کہ چلو جانے کا ٹائم ہے۔ انسان کہتا ہے ابھی تو آئے ہیں' بیٹھے ہیں' ابھی یہ خواہش پوری کرنی ہے' پھر دوسری خواہش شروع ہوگئی اور ٹائم دوسرا آ گیا۔ انسان کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم زندگی کو اپنی تخلیق نہ سمجھو' اپنی زندگی کو اپنی تحریر کی ہوئی کتاب نہ سمجھو بلکہ اپنی زندگی کو اللہ کے حوالے رکھو۔ دعا کو پورا کرانا ایک الگ چیز ہے اور تکلیف کو برداشت کر لینا ایک الگ بات ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ شور شرابا کرو اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اس کو ٹھیک کرے یا نہ کرے۔ کچھ دعائیں ایسی ہوتی ہیں جو وقت کے بعد تاثیر لاتی ہیں۔ اقبالؒ نے ایک شعر کہا تھا کہ ؎

عشق پر فریاد لازم تھی سو وہ ہو بھی چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

اب اس دعا کی تاثیر ذرا دیر سے آئے گی۔ اگر اللہ کریم آپ کی دعائیں جلد سننے لگ جائے مثلاً اللہ Spontaneous ہو جائے' Spontaneous کا مطلب یہ ہے کہ اِدھر بٹن دبایا اُدھر اللہ نے دعا سننی شروع کر دی' یعنی ہمارے سب کام جلدی کر دیے' جلدی ایکشن کر دیا' ہماری نیکیوں کا بدلہ جلدی دے دیا تو برائی کی سزا فوری آ جائے گی۔ جب آپ اپنی برائیوں کی سزا فوراً لینا نہیں چاہتے تو نیکیوں کے معاوضے فوری نہ مانگا کریں۔ یا تو اللہ سے کہو کہ ہر چیز فوری کر دے' تو عین ممکن ہے کہ آپ کی برائیاں جلدی سزا پا جائیں۔ اس لیے یہ کہو کہ برائیاں ہم نے چھوڑیں' نیکی کو بھی چھوڑا' دوسروں کی برائی ہم معاف کرتے ہیں' یا اللہ تُو مہربانی فرما۔ تکلیف کو برداشت کرنے سے ہزار گناہ معاف ہو جاتے ہیں ؎

جے دکھ دے کے راضی رہندے تے سکھ دکھاں تو وارے
دکھ قبول محمد بخشا تے راضی رہن پیارے

مطلب یہ کہ اگر وہ دکھ دے تو سکھ جو ہے اس کو دکھ پر وار دو کیونکہ اگر وہ اس طرح راضی رہتا ہے تو پھر یہی سہی۔ اگر اللہ راضی ہوتا ہے دکھ قبول کرنے سے تو وہ دکھ تو ہزار سکھ سے بہتر ہے۔ اس لیے آپ کو بہت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ پریشانی کو ہی قبول کر لو۔ ایسے ہی فرمائشیں نہ کیا کرو کہ بیٹا پیدا ہو بیٹی پیدا نہ ہو' بیٹا کچھ سال بعد بڑا ہو جائے گا تو پھر کسی اور کی بیٹی مانگو گے۔ بیٹوں کے بعد پھر بیٹیاں مانگو گے' یعنی جتنے بیٹے ہیں ان کے لیے اتنی بیٹیاں ہونی چاہئیں۔ تمہارے گھر میں بیٹی پیدا ہو گی تو تمہیں کیا تکلیف ہے' کیا پرابلم ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس لیے کہتے ہیں کہ بیٹے ہونے چاہئیں کیونکہ بیٹیاں چھوڑ کے چلی جاتی ہیں۔ یوں تو بیٹے بھی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' بہو کے آنے کی دیر ہے اور پھر بیٹا گیا۔

ہوتا یہ ہے کہ تمہاری اپنی بینائیاں چھوڑ کر چلی جاتی ہیں' تمہاری رعنائیاں چھوڑ جاتی ہیں' تمہارا خیال تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے' تمہاری یادداشت تمہیں چھوڑ دیتی ہے' اور جب تمہیں یادداشت چھوڑ کر چلی گئی تو تمہیں اپنا نام بھول گیا۔ اس سے پوچھو کہ تُو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے پتہ نہیں میں کون ہوں' کیا نام ہے میرا؟ اب اس کا کیا نام رہ گیا ہے' جن کے دم سے نام تھا وہ نہ رہے تو نام کیا ہے۔ بیٹے باغی ہو گئے تو باپ کا نام نہ رہا اور باپ نہ رہا تو بیٹا کیا رہے گا۔ تو آپ کے نام واقعات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کا نام ''سرفراز'' ہے تو جب سرفرازی نہ رہی پھر سرفراز کہاں سے رہ گیا۔ اس لیے تکلیفوں کا ایک علاج

یہ ہے کہ برداشت کرلو۔ سب سے بڑی طاقت، سب سے بڑی قوت جو انسان
کے پاس ہے وہ قوتِ برداشت ہے۔ قوتِ برداشت کی خوبی یہ ہے کہ وہ شخص کام
کرنے پر تو قادر ہو لیکن اُسے اللہ کی رضا مان کر خاموش رہے۔ ایک واقعہ سن لو۔
ایک آدمی اپنے شیخ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مجھے اسمِ اعظم دو تا کہ میرے
بگڑے کام بن جائیں۔ اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں اسمِ اعظم تجھے کل
دوں گا، آج تم سیر تفریح کرو اور کل آ کے اسمِ اعظم لے لینا۔ وہ بڑا خوش ہو کر سیر
وتفریح کرتا رہا۔ جنگل سے گزر رہا تھا تو اس نے وہاں ایک واقعہ دیکھا۔ اس نے
دیکھا کہ ایک بوڑھا لکڑہارا لکڑی کاٹ کر اپنی کمر پر لادے ہوئے جا رہا ہے۔ وہ
بوڑھا آدمی بیچارہ مشکل سے لکڑی کاٹ کر لایا تھا اور دقت سے چل رہا تھا۔ اس
کے دل میں بات آئی کہ میں اس کی مدد کروں۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ شہر کے
کوتوال کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے کہا بابا! یہ لکڑی ہمارے گھر میں پہنچا دو۔ بابا
نے کہا اس کی قیمت دے دو۔ اس نے کہا میں کوتوال ہوں۔ بابا نے کہا کیا کوتوال
پیسے نہیں دیا کرتے، میں تو پیسے لوں گا۔ پھر ایسا واقعہ ہوا کہ کوتوال نے بابا کو مارا اور
لکڑی اس سے چھین لی۔ بابا خاموش کھڑا دیکھتا رہا اور وہ آدمی سکتے میں اسے
دیکھتا رہا کہ یہ کیسا واقعہ ہے، کہ اس بستی کے لوگ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ پھر وہ
اپنے شیخ کے پاس گیا۔ شیخ نے کہا تم نے کیا دیکھا آج کے دن؟ صبح تجھے اسمِ
اعظم دینا ہے، ذرا میں تیرے حالات دیکھ لوں۔ کہتا ہے جی میں نے ایک عجیب
وغریب واقعہ دیکھا۔ ایک بوڑھے کو ایک طاقت ور انسان نے، با اختیار انسان
نے مارا، لکڑی بھی چھین لی اور پیسہ بھی نہ دیا۔ پھر کہنے لگا کہ یہ بڑے ظلم کی بات
ہے۔ شیخ نے کہا تیرے پاس اسمِ اعظم ہوتا تو تُو کیا کرتا؟ کہتا ہے کہ کم از کم میں

یوں ظلم نہ ہونے دیتا۔ شیخ نے کہا پھر بات سن' تُو تو ظلم نہ ہونے دیتا مگر مجھے اسمِ اعظم اسی بوڑھے سے ملا ہے' وہ میرا پیر ہے اور وہ بوڑھا جو ہے وہ لوگوں کو اسم اعظم دیتا ہے' اور وہ خود کتنی برداشت کرتا ہے کہ مار کھالی ہے لیکن اسمِ اعظم استعمال نہیں کیا اور اگر تمہارے پاس اسمِ اعظم ہوتا تو تم شام سے پہلے اُسے بیچ آتے اور اُس کو خواہشات پورا کرنے میں لگا دیتے' کبھی بچوں کے لیے' بیوی کے لیے اور کبھی کسی اور کے لیے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم خواہشات کو پورا کرتے کرتے اسمِ اعظم کا چراغ گل کردو گے۔ اسمِ اعظم جن کے پاس ہوتا ہے ان کے پاس ظرف ہوتا ہے۔ جن کی دعائیں منظور ہوتی ہیں' وہ پھر بار بار دعائیں نہیں کرتے اور اگر دعا کی ہے تو ایسی کی ہے کہ زمانے بدل گئے ؎

داغِ سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا !

وہ سجدہ کر کہ روئے زمیں پر نشاں رہے

تو یہ ہے بات کہ وہ سجدہ کرو کہ روئے زمین پر نشان رہے مگر تم تو چار سجدے کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کو پانچ لسٹیں بھیج دیتے ہو کہ اللہ میرے یہ یہ کام پورے کرنے ہیں کیونکہ میں تیری نماز پڑھ رہا ہوں۔ یہ تو پھر کوئی بات نہ ہوئی۔ کیا یہ کوئی بات ہے کہ اللہ تمہارے کام کرتا جائے۔ تُو اُسے بندہ ہو کے قبول نہیں کرتا اور وہ خدا ہو کے تیری بات مانے۔ اس لیے انسان ہونے کی حیثیت سے پہلا کام یہ ہے کہ آپ اللہ کے فیصلوں کو قبول کرو۔ قبول کرنے کے بعد جب تُو اس کا ہو گیا تو پھر اس کے بعد تجھے کوئی آرزو نہیں رہے گی۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی عبادت کرتے کرتے اللہ کی بارگاہ تک پہنچ گیا۔ اللہ کریم نے اس سے کہا کیا آرزو ہے تیری؟ اس نے کہا کہ میں اگر اب آرزو بیان کروں تو مجھ سے زیادہ بدبخت کوئی نہیں

ہے‘ یہی آرزو تھی کہ تُو پوچھ لے! مالک تک رسائی کے بعد دعا مانگنا بڑی ذلت کی بات ہے۔ اب جو رسائی ہوگئی ہے تو بن مانگے تیرے کام ہوتے جائیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تیرے کام جو ہیں بن مانگے ہوتے جائیں گے کیونکہ تُو قبول کرتا جائے گا‘ کچھ تکلیفیں آئیں گی جو تُو برداشت کر جائے گا‘ کچھ نقصانات ہوں گے وہ بھی برداشت کر لے گا‘ جو اللہ کا فیصلہ ہوگا وہی تمہارا فیصلہ ہوگا ...... اس لیے اپنے درجات میں اضافہ کرنے کی بجائے خواہشات کو پورا کرنے کی تمنا کو بدل ڈالو۔ انسان یہ خواہش کرے کہ یا اللہ میں تیرے سفر پر روانہ ہوا ہوں۔ اگر آپ اس سفر پر روانہ ہوئے ہیں تو یہ بڑی خوب بات ہے‘ اگر دنیا کی خواہش ہے‘ جہان کے معاملات کی خواہش ہے تو وہ تو کافروں کی بھی پوری ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے دعا کو زیادہ Involve نہ کیا کرنا۔ دعا یہ کریں کہ آپ پر باطن آشکار ہو جائے۔ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ دنیاوی تکلیف پر شور نہ مچانا‘ خاموش‘ بالکل لب سی دو اور کہو کہ یا تو اللہ جانتا ہے یا پھر نہیں جانتا۔ اگر وہ جانتا ہے تو مانگو نہیں اور وہ نہیں جانتا تو پھر مانگنے کا کیا فائدہ۔ اگر وہ جانتا نہیں ہے تو پھر مانگ کے کیا لینا ہے اور اگر اس پر تمہارا حال ظاہر ہے تو پھر وہ بن مانگے عطا کرنے والا ہے۔ جس نے بن مانگے تمہیں آنکھیں دی ہیں‘ نام دیا ہے‘ رزق دیا ہے‘ زندگی دی ہے‘ خیال دیا ہے‘ حال دیا ہے‘ روشنی دی ہے بلکہ سب کچھ دیا ہے‘ اب باقی کے کام بھی وہ بن مانگے کرے گا۔ آپ اطمینان سے اس کے راستے پر چلتے جائیں۔ شور نہ کریں اور جیب میں پرچی نہ رکھیں۔ جہاں بھی اللہ تعالیٰ مل گیا یہ نہ کہنا کہ یا اللہ یہ ہیں ہماری آرزوئیں۔ اپنی آرزوؤں کو اللہ کے حوالے کر دو‘ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو اور ہمت کر کے حاصل کر لو۔ جہاں کہیں مشکل ہوگی

خود بخود مشکل کشا ہو جائے گی۔ مشکل کشا صرف پکارنے کی بات نہیں ہے بلکہ اُس کے راستے پر چلنے کی بات ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس زندگی کے اندر نظاروں سے خیال درست ہو جاتا ہے جب کہ نظاروں سے خیال خراب بھی ہو جاتا ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ ہمیں نظارے دنیا سے ملتے ہیں اور دنیا ہمارے سامنے ہے۔ اس دنیا کے اندر کافر بھی رہ رہا ہے اور پیغمبر بھی رہا ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ دونوں کے راستے موجود ہیں۔ دنیا کے اندر مانگنے والوں کو اسی دنیا میں ایمان ملنا ہے اور کافر کو اسی دنیا سے کفر ملنا ہے۔ میں نے آپ کو پہلے دن ایک بات بتائی تھی، ایک فقرہ سنایا تھا، آپ کو یاد ہوگا کہ یہ کائنات جو آپ کو نظر آتی ہے یہ کائنات عین حقیقت ہے۔ یہ کائنات کیا ہے؟ عین حقیقت ہے اور ساری کائنات عکسِ حقیقت ہے۔ اور اس کائنات کے اندر کچھ بھی باطن نہیں ہے ربنا ما خلقت هذا باطلا کہ اے ہمارے رب جو کچھ بھی تو نے پیدا فرمایا یہ باطل نہیں ہے۔ پھر یہ کائنات حجابِ حقیقت بھی ہے اور اس کائنات میں حقیقت نظر نہیں آتی۔ اب یہ دونوں باتیں اپنے مقام پر صحیح ہیں۔ یہ خیر و شر کا ایک بُنا ہوا کپڑا ہے، خیر کا دھاگا چل رہا ہے، ساتھ دوسری لائن چل رہی ہے، اس کے اندر آپ نے ایک تار پر سفر کرنا ہے اور اسی کائنات میں شر نے پلنا ہے۔ آپ نے شر کو چھوڑنا ہے۔ اس خیر والے انسان کو اس کائنات میں اگر بدی نظر آ بھی گئی تو بھی وہ نیکی کی طرف جائے گا۔ اور وہ جو برا آدمی ہے اگر اسے پیغمبر ملے گا تو بھی وہ اُس کے مقابلے میں کھڑا ہوگا۔ تو پیغمبروں کے ساتھ لڑنے والے انسان اور پیغمبروں پر آج اتنے عرصے کے بعد درود بھیجنے والے انسان کون ہیں؟ ان کے ساتھ جنگ کرنے والے کون تھے اور درود بھیجنے والے کون ہیں؟ آپ لوگوں

کے بڑے مقامات ہیں کیونکہ آپ دیکھے بغیر درود بھیجتے ہیں۔ ایمان بالغیب تو آپ کی مجبوری بھی ہے اور صداقت بھی ہے۔ تو ہم ایمان بالغیب کے لوگ ہیں۔ اس لیے یہ بڑے مقام کی بات ہے۔ اس کائنات میں آپ لوگوں کو جو حقیقت نظر آتی رہتی ہے' تو دراصل بات کیا ہے؟ حقیقت طلب کا نام ہے اور نظارے کا نام نہیں ہے۔ اگر حقیقت طلبی پیدا ہو جائے تو نظارے خود بخود آپ کے سامنے اپنا رخ ٹھیک کر لیں گے۔ مطلب یہ کہ جہاں آپ نے مصلّٰی بچھا لیا تو وہاں کعبہ کا کوئی نہ کوئی دروازہ کھل جائے گا اور اگر آپ اللہ کے باغی ہیں تو کعبہ سے ویسے ہی واپس آ جاؤ گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ناں کہ اگر گدھا کعبہ کو چلا جائے' واپس آئے گا تو گدھا ہی رہے گا ع

خرِ عیسیٰؑ چوں بہ مکہ رود
گرش بیاید ہنوز خر باشد

تو مدعا یہ ہے کہ یہ آپ کا اپنا سفر ہے' اس میں نیک آدمی کو سارا راستہ نیک نظر آیا اور برے آدمی کو سارے راستے میں برے نظر آئے۔ آپ ایک کام کریں' ایک ٹیبل اپنے پاس رکھ لیں اور ٹیبل پر صرف تاش رکھ دیں اور چپکے سے بیٹھ جائیں۔ کچھ دیر بعد وہاں تاش کھیلنے والے جمع ہو جائیں گے۔ اسی طرح نیکی ہے' ایک چراغ جلتا ہے تو پھر روشنی لینے والے آ جاتے ہیں۔ بس دیکھنا یہ ہے کہ آپ کرنا کیا چاہتے ہیں اور آپ کے دل میں کیا ہے۔ اگر آپ کے دل سے نیکی کا خیال اس سفر میں شامل ہو گیا تو سارے سفر میں آپ نیک نظارے تلاش کریں گے۔ اگر ایک آدمی ہے جسے قوالی کا شوق ہے اور وہ بیتاب ہو کر گھر سے باہر نکل آیا اور

کہتا ہے کہ قوالی سننے کی تمنا ہے مگر دور دور سے کوئی آواز نہیں آ رہی' وہ بیچارہ بڑا پریشان سرگرداں پھرتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد دیکھے گا کہ در و دیوار سے قوالی کی آواز آ رہی ہے' ایک آوازِ دوست آ رہی ہے۔ تو یہ اس کی اپنی آواز ہے۔ تو کیا آواز آتی ہے اسے؟

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کجا می آید ایں آوازِ دوست

شاعر کہتا ہے کہ یہ جو ساز ہے اس میں خشک لکڑی' خشک چمڑہ' اور خشک تار لگی ہوئی ہے مگر اس کے اندر سے پھر بھی میرے دوست کی آواز آتی ہے۔ تو ستار کے اندر کی آواز ادھر سے آ رہی ہے یعنی دوست سے۔ یہ دوست کی آواز کہاں سے آتی ہے؟ یہ آواز اپنے کان کی ہوتی ہے۔ ایک شعر سنو تو سمجھ میں آ جائے گا۔ ''گوشِ مشتاق'' شوق رکھنے والا کان ہوتا ہے۔

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ

سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

تو شوق والا کان رکھنے والا کہتا ہے کہ آواز نہیں ہے لیکن میں نغمہ سن رہا ہوں۔ وہ کون سا نغمہ سن رہا ہے؟ اُس سے یہ پوچھو کہ بھئی تو کون سا نغمہ سن رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں وہ نغمہ سن رہا ہوں جو ابھی اس کے اندر سے پیدا نہیں ہوا۔ تو یہ تو آپ کے شوق کی بات ہے۔ اگر شوق نہ ہو تو کائنات میں کچھ بھی نہیں ہے' پھر لاہور میں کوئی کام کا بندہ ہی نہیں ملتا' اور یہ کہ لاہور بھی کوئی شہر ہے۔ اور اگر شوق سے دیکھو تو یہ سارا شہر نیکوں سے بھرا ہوا ہے۔ لاہور میں سینما گنوانے لگو تو بہت سارے ہیں اور اگر آپ مزار گنوانے لگ جاؤ تو داتا صاحب'' میاں میر

صاحبؒ اور پھر گنتے ہی جاؤ' اتنے مزار ہیں' تو لاہور میں ہزار ہا مزار اور ہزار ہا خانقاہیں ہیں۔ مادھو لال حسینؒ سے نکلو تو آگے کوئی نہ کوئی آستانہ' کوئی نہ کوئی مزار ہے' اور پھر بی بی پاک دامنؒ سے لے کر شاہ جمالؒ تک سارے مزار ہی مزار ہیں۔ یہ دیکھنے والے کی مرضی ہے کہ اُسے کیا نظر آیا۔ دیکھنے والے کا شوق نظارے کے اندر حسن پیدا کرے گا اور دیکھنے والے کی بیزاری جو ہے وہ نظاروں کو زنگ آلود بنا دے گی۔ اس لیے برے آدمی کو برائی نظر آئے گی اور اچھے آدمی کو اچھائی نظر آئے گی۔ تو یہ کائنات نظارے Feed کرتی ہے' نظارے خوراک دیتے ہیں نظر کو' ارادوں کو' Intentions کو' نیتوں کو ...... نیت جیسی ہوگی ویسا نظارہ آپ کو ملے گا۔ جیسا آپ کا اندازِ نظر ہوگا ویسا نظارہ ملے گا۔ اللہ والوں کے لیے یہ کائنات مظہر الٰہی ہے' گناہ گاروں کے لیے یہ کائنات حجاب ہے اور ولی اللہ کے لیے ولی اللّٰہی ہے۔ یہ کائنات باغیوں کے لیے بغاوت کا ذریعہ ہے۔ شیطان والوں کے لیے یہ کائنات شیطانی کاروبار کا مرکز ہے۔ ملاوٹ والے ملاوٹ کریں گے اور ملاوٹ والے لوگوں سے ملیں گے کر کر لمبے ہاتھ' اور نیک سے نیک ملے گا۔ وہ دو آدمی ہم سفر سمجھے جاتے ہیں جو کہ ہم خیال ہوں۔ اس کی ایک مثال مولانا رومؒ نے دی ہے کہ کبھی کبھی ہم نے دیکھا ہے کہ بظاہر دو ساتھی ہم جنس نہیں ہوتے مگر ہم سفر ہوتے ہیں۔ مولاناؒ نے کہا ہے کہ ایک واقعہ میں نے دیکھا کہ دریائے دجلہ کے کنارے ہنس اور کوا مل کر چُگ رہے تھے۔ میں نے سوچا ہنس کدھر اور کوا کدھر...... یہ کیا ہے؟ یہ کیا راز ہے کہ دونوں کی جنس الگ الگ ہے لیکن دریا کے کنارے دونوں ایک جگہ چُگتے جا رہے ہیں۔ پاس جا کے دیکھا تو دونوں زخمی تھے۔ تو بعض اوقات غیر جنس جو ہیں وہ زخمی ہونے سے ہم

جنس ہو جاتے ہیں' کیونکہ ان کا زخم ایک ہوتا ہے۔ ہسپتال میں جاؤ تو سارے ایک دوسرے کے ساتھ ہمدرد ہو جائیں گے' ایک بیڈ والا دوسرے بیڈ والے کے ساتھ ہمدرد ہو جائے گا۔ تو اس لیے آپ کا اپنا خیال آپ کو آپ کے ہم خیال تک پہنچاتا ہے۔ ہم خیال کی کوئی دعوت نہیں ہوتی ہے کہ اخبار میں اشتہار آئے کہ فلاں خیال والے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ آپ کا اپنا خیال کشاں کشاں ہم خیال تک لے جاتا ہے۔ یہ آپ کا جذبہ ہے کہ حسن والوں کی تلاش کرنے والوں کو اس کائنات میں حسن ملتا ہے یعنی عشق والوں کو عشق ملتا ہے' پیسے والے کو پیسہ ملتا ہے اور وہ کاروبار کرے گا۔ کوئی ایسے بھی کاروباری لوگ ہوتے ہیں کہ اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ میاں نے پوچھا ہے کہ تجھے دوزخ میں ڈالوں کہ جنت میں تو وہ کہیں گے کہ جہاں دو پیسے زیادہ ملیں وہاں ڈال دو۔ یہ تو اِن کے فائدے کی بات ہے۔ اگر اسے کہو کہ تو دھوپ سے بچ اور سائے میں کھڑا ہو جا تو وہ کہتا ہے کہ اس کا کیا دو گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس بیچارے کا مدعا پیسہ ہے۔ ایسا شخص کہتا ہے کہ یہ جو ہے میرا دوست ہے بڑا اچھا ہے کیونکہ مجھے اس سے دولت کا فائدہ ہو گا اور دوسرے دوست کا کہتا ہے کہ اس سے میں نے دوستی چھوڑ دی ہے کیونکہ اس سے مجھے فائدہ ہی نہیں اور اس سے منفعت کوئی نہیں ہے۔ تو کچھ لوگ رشتوں کو منفعت سے ماپتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رشتوں کو حسن سے ماپتے ہیں یعنی کہ حسن اور حسنِ خیال۔ خیالِ حسن کی یہ خاص بات ہے' یہ حسنِ خیال ہے کہ انسان شاعر بن جائے تو شعر سننے والوں کو اکٹھا کر لیتا ہے' کہتا ہے کہ ایک نیا شعر ہوا ہے۔ پھر اُسے داد ملتی ہے۔ سب کو داد کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسا انسان ہو ویسی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اگر کسی آدمی کے پاس گلا یعنی

آواز ہو تو وہ سننے والوں کو بلائے گا۔ اور اگر آواز سننے والا کوئی نہ ہو تو صاحبِ گلا کیا کرے گا' یہ تو مر جائے گا یا پھر پاگل ہو جائے گا۔ اگر چہرہ خوب صورت ہو اور دیکھنے والی آنکھ نہ ہو تو بندہ مر ہی جاتا ہے۔ تو خوب صورت چہرے کا حق ہے کہ دیکھنے والی آنکھ اس کو پہچانے۔ اس طرح لوگ ہم خیال بنتے ہیں۔ ایک کا چہرہ ہوتا ہے اور دوسرے کی نگاہ' اس طرح وہ دونوں ہم خیال ہو جاتے ہیں۔ حسن پرست آنکھ کو جلوہ مل جائے گا اور جو اندھا ہے اس کو اندھیرا مل جائے گا۔ حسن جو ہے اس کے پاس مکمل حسن کی خواہش ہو گی اور اس کو حق نظر آئے گا۔ یہ کائنات نور ہے۔ کیا ہے؟ یہ نور ہے' جلوہ ہے' اور ہر طرف نور ہے بلکہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اب جس کی یہ نگاہ ہے کہ ہر طرف جلوۂ نور ہے تو ستارے روشن' دل روشن' سورج روشن' بندے روشن' نگاہ روشن' خیال روشن' افکار روشن اور پھر ہر شئے میں روشنی ہے۔ اور جس آدمی کے ہاں اندھیرا ہو وہ کہتا ہے کہ رات اندھیری ہے' پریشانی کا عالم ہے' دن بھی اندھیرا' لوگوں کے دل بجھے ہوئے ہیں' دل افسردہ' لب خشک' آنکھیں پرنم' غم ہی غم ہیں' میز چپ چاپ' گھڑی بند' کتابیں خاموش' بڑی پریشانی ہے۔ اس سے پوچھو کہ تم کہاں رہتے ہو تو وہ کہتا ہے غم اور دکھ میں رہتے ہیں۔ کہتا ہے کب سے؟ کہتا ہے جب سے دنیا میں آیا ہوں' جہانِ رنگ و بو میں آیا ہوں۔ اس سے پوچھو کہ تیرا کیا حال ہے تو کہتا ہے وہی برا حال ہے' وہی کل والا حال ہے' اب آپ سے کیا پوچھنا' آپ کا بھی برا حال ہو گا' بم کی خبر سنو' دھماکہ ہوا ہے' بم' پریشانی' چھتیں گر گئیں اور بندے مر گئے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ اس کا حل یہ ہے کہ تم توبہ کر لو اور جو مر گئے ہیں ان کے لیے دعا کرو' اس لیے کہ تم چونکہ مرے نہیں اس لیے دعا کرو کہ یا اللہ ہمیں معاف کر۔ تو کسی وقت بھی کچھ ہو

سکتا ہے' اس لیے خدا کی طرف رجوع کرو۔ تکالیف بندوں کو باغی بنا دیتی ہیں اور تکالیف ہی بندوں کو خدا کی طرف مائل کرتی ہیں۔ برے آدمی کے لیے تکلیف بہت بری شئے ہے اور اچھے آدمی کے لیے تکلیف بہت اچھی شئے ہے۔ اب بتاؤ تم کون ہو؟ اگر تم اچھے ہو تو یہ تکلیف جو ہے اللہ کی طرف سے خاص مہربانی ہے۔ غریبی یا تو اللہ کے قریب کر دے گی یا پھر اللہ سے باغی کر دے گی۔ جس آدمی کو غریبی اللہ سے باغی کرے یہ اُس آدمی کے اوپر سزا ہے اور جس کو غریبی اللہ کے قریب کر دے تو سمجھو کہ غریبی اس پر اللہ کی عنایت ہے' غریبی تو غریب نوازؒ کی باتیں ہیں ۔

غریبی پیغمبرؐ کے گھر کی عطا' غریبی ادا شاہِ مشکل کشاؑ

غریبی متاعِ غریب نوازؒ' غریبی میں ہے آدمیت کا راز

مطلب یہ ہے کہ اگر بات سمجھ آ جائے تو غریب الوطنی جو ہے یہ تو عطا ہے۔ کچھ درویش کسی کو سزا دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ کرے تو امیر بن جائے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کرے تو گمراہ ہو جائے' یعنی اللہ تجھے امیر بنا دے۔ اور جب درویش خوش ہوتے ہیں تو اپنے کسی آدمی کو کہتے ہیں کہ اللہ کرے تو فاقے میں رہے۔ سارے درویش فاقے میں پلے ہیں اور ان کے سارے اپنے فاقوں میں رہے ہیں۔ فاقوں سے مراد یہ ہے کہ تجھ کو غنا مل جائے' تو غنی ہو جائے اور دولت سے بے نیاز ہو جائے۔ غنی کون ہوگا؟ جو دولت سے بے نیاز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جمع کرنے والا مال گننے والا کیا فلاح پائے گا کہ مال کو گنتے رہنا اور جمع کرنا اس کا کام ہے جمع مالا و عددہ۔ اس لیے راضی رہنے کے لیے کوئی مقدار نہیں کہ کتنی چیز ہو۔ تو آپ راضی رہیں' جو کچھ ہے وہیں راضی ہو جائیں۔

یہ نہ کہنا کہ اور دے دو تو راضی ہو جاتا ہوں۔ تو آپ کم پر ہی راضی ہو جائیں اور ابھی راضی ہو جائیں۔ یہ نہ کہنا کہ راضی ہونے کے لیے ایک اور مکان ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر ہی راضی ہو جائیں۔ جو اَب راضی نہیں ہوا وہ کل بھی راضی نہیں ہوگا۔ جو آج خوش نہیں ہے وہ کل بھی خوش نہیں ہوگا۔ Amendment کی خواہش' اصلاح کی خواہش' زندگی میں حاصل کرنے کی خواہش' زندگی میں کچھ داخل کرنے کی خواہش' یہ سب فالتو خواہشات ہیں ...... اگر اس میں کمی ہے تو بھی راضی ہو جاؤ' بیشی ہے تو پھر بھی راضی ہو جاؤ۔ پھر یہ کائنات آپ کو جلوۂ نور نظر آئے گی۔ اور نگاہ کو اس وقت نور نظر آتا ہے جب نگاہ میں کوئی جلوہ ہو۔

کہتے ہیں ہیر وارث شاہؒ کی ہے' رانجھے کی نہیں ہے اور اب وارث شاہؒ مالک ہے ہیر کا بھی اور رانجھے کا بھی' بلکہ اس سارے کارخانے کا۔ اب ہیر سے یہ پوچھا جائے کہ تو نے رانجھے کے پاس جانا ہے یا وارث شاہؒ کے پاس' تو وہ کہے گی وارث شاہؒ ہمارے پیر ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک عشق والا آیا اور وہ سارے عشق کا مالک بن گیا۔ آج اس نے ہیر کو ولی اللہ بنا دیا۔ وارث شاہؒ کے حق میں سلام ہونا چاہیے یعنی کہ ایک عام محبت کا قصہ ہے' ہیر کی رانجھے کے ساتھ' مگر وارث شاہؒ نے جذبوں کو ایسا نام دے دیا' ایسا کلام دے دیا کہ رانجھا جو ہے ۔

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی

اب لوگ کہیں گے سبحان اللہ' سبحان اللہ' حق اللہ ہو! تو رانجھا ایک ایسا نام بنا دیا' اس حد تک وارث شاہؒ نے کمال کر دیا۔ تو ایک جلوے والا آیا اور اُس نے اندھیرے کو بھی جلوہ بنا دیا۔ تو بعد میں کوئی ایسا آدمی آجائے تو وہ وہاں بھی نور پیدا

کر دیتا ہے۔ ایک چراغ جلا دیا وارث شاہؒ نے، جب وارث شاہؒ کے پاس ہیر رانجھے کی داستان آ گئی۔ یہ ہے لکھنے والے کی بات۔ "سیف الملوک" کا آپ کو کیا پتہ کہ سیف الملوک کیا ہے۔ مطلب یہ کہ "سیف الملوک" ایک لفظ ہے کیا یہ کسی بادشاہ کا نام ہے یا کسی جھیل کا نام ہے، ہمیں یہ پتہ نہیں لیکن اتنا پتہ ہے کہ یہ میاں محمد صاحبؒ کا کلام ہے۔ میاں محمد صاحبؒ نے ایک معمولی سی کہانی جو پریوں کا اور جنوں کا قصہ ہے، اس کو داستانِ فقر بنا کر پیش کر دیا، یعنی کہ "سیف الملوک" کو بادشاہوں کی تلوار بنا دیا اور فقر کی داستان بنا دیا ...... تو یہ ہے نورانی آدمی کی بات۔ نورانی انسان سادہ کہانی کو بھی نورانی بنا گیا۔ امیر خسروؒ نے لیلیٰ مجنوں کا ایک قصہ لکھا ہے۔ جامیؒ نے لیلیٰ مجنوں کی داستان لکھی ہے، تو ہر طرف جلوہ ہے، کائنات جلوہ، درخت جلوہ، اس چیز کو غور سے دیکھتے جاؤ، وقت گزر جائے گا لیکن جلوہ ختم نہ ہوگا۔ پھول کو اگر دیکھو تو دیکھتے چلے جاؤ گے۔ مخلوق سے خالق کو دریافت کرنا، یہ جلوے کا کام ہے ...... بلکہ یوں کہو کہ کثرت سے واحد کی تلاش کرنا جلوہ ہے۔ جو اللہ کی طرف رجوع کرائے وہ مہربانی بھی ہو سکتی ہے، وہ عنایت بھی ہو سکتی ہے اور مال بھی ہو سکتا ہے۔ تو ہر وہ چیز جو آپ کو اللہ کی طرف رجوع کرائے وہ رحمتِ حق ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ اس نے ہمارے لیے کیا مقرر کر رکھا ہے، خزانے نیکی کے اور عرفان کے، اور بندہ کدھر پھر رہا ہے؟ اللہ اسے کہے گا تو میری طرف واپس آ جا اور پھر اسے آگے جا کر کوئی بندہ مل جائے گا۔ تو رحمتِ حق جو ہے یہ اللہ کے بندے لے کے پھرتے ہیں اور بندوں کو جا کر پکڑتے ہیں اور گناہ سے نکالتے ہیں۔ انسان خدا کی تلاش کرتے کرتے خدا کے بندے تک پہنچ جاتا ہے اور خدا کا بندہ جو ہے

اسے خدا کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کے بعد سارے بندے اللہ کی طرف لوٹ جاتے ہیں' بتانے والا بھی اور سننے والا بھی' چل سو چل' پھر میلہ ختم ہو گیا۔ جب تک یہ میلہ ہے تب تک یہ رونقیں ہیں۔ میلے کا مطلب یہ ہے کہ میلہ Enjoy کرو' لطف اٹھاؤ اور اپنا رخ صحیح رکھو۔ صحیح رخ یہ ہے کہ ہم ہر وقت اللہ کی طرف جانے کے لیے تیار رہیں انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی ہم اللہ کے لیے ہیں' اسی کے نام پہ یہاں ہیں اور پھر اس کی طرف جانے کے لیے تیار ہیں ...... باقی یہ کہ آج کل ہم میلہ دیکھ رہے ہیں' یعنی جو میلہ اس نے دکھایا ہوا ہے' اس پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ شکر ادا کرنے والوں کے لیے یہ کائنات بڑا راز ہے' بڑا جلوہ ہے۔ گلہ کرنے والے کے لیے یہ کائنات آزمائش ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ گلہ کرنے والا آزمائش سے بچ نہیں سکتا اور شکر کرنے والا لطف سے بچ نہیں سکتا۔ شکر کرنے والے کو لطف مل کر رہے گا' لطف ملے گا' رونق ملے گی اور اس کا دل شاد رہے گا۔ بس وہ کبھی گلہ نہ کرے۔ ویسے بھی گلہ کس سے کریں' جو جانتا ہے اُس سے کیا گلہ کرنا۔ اس لیے گلہ نہ کرو تو زندگی لطف بن جائے گی اور اگر تم گلہ کرو گے تو آزمائش بن جائے گی' پھر آزمائش سے بچنا مشکل ہے۔ زندگی کو آزمائش کون بناتا ہے؟ آپ خود' آپ گلہ کرتے ہیں کہ بڑی مصیبت ہے' یہ کوئی حالات ہیں' کوئی واقعات ہیں' یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ زندگی بڑی خوب صورت ہے' اچھے دن گزر رہے ہیں' اچھا وقت گزر رہا ہے' جو ہوا' اچھا ہوا' جو ہو رہا ہے اچھا ہو رہا ہے اور جو ہو گا اچھا ہو گا۔ تو اتنا کہنے سے حالات بدل جائیں گے' اتنا کہنے سے حالات درست ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ ایک جلوے والے کا واقعہ سنو۔ وہ ایک جگہ سائل بن کے آیا اور اس مزار شریف

پر آتے ہی وہ اونچا اونچا بولنے لگ گیا۔ وہ سب سے Openly address کر رہا تھا۔ صاحبِ مزار سے کہنے لگا آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے پاس پیسے لینے آیا ہوں، میرے پاس پیسے ہوتے تو میں آپ کو دے دیتا۔ اس کی بات کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور انہوں نے پیسوں کا ڈھیر لگا دیا۔ وہ بولا ہمیشہ تو ہی دیتا ہے، تو ہی دینے والا ہے۔ پھر اس نے تھوڑے سے پیسے اٹھائے اور بولا کہ جتنی ضرورت تھی وہ لے چلا ہوں، باقی تیرے فقیروں کو دے چلا ہوں ...... مدعا یہ ہے کہ خوشگوار خیال والے کے لیے یہ کائنات خوشگوار ہے، ظریف کو ظرافت مل جائے گی اور رونے والے کو رونا مل جائے گا۔ سارے انسان ایک جیسے ہیں اور ؎

اک جیسے آنسو ہیں سب کی آنکھوں میں

اگر دو انسانوں کا ایک جیسا خیال ہے تو کثرت سے وحدت کی تلاش جو ہے یہ جلوہ ہے اور وحدت سے کثرت کی طرف تلاش جو ہے یہ جلوہ ہے۔ بندوں کو خدا اور خدا سے بندوں کو پانا ہے۔ کائنات میں خیر ہے تو شر بھی ہے، خیر والے کے لیے کائنات خیر ہے اور شر والے کے لیے شر ہے۔ ماننے والوں کے لیے یہ کائنات پوری عبادت گاہ ہے اور باغیوں کے لیے یہ بغاوت کی جگہ ہے۔ یہ حیرت کدہ ہے اور باغیوں کے لیے یہ وقت کا حیرت کدہ کہلاتا ہے جب کہ ماننے والوں کے لیے یہ عبادت گاہ ہے اور ان کے لیے اللہ کے جلوے ہر طرف عام ہیں ؎

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا
وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت
گر سرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا

بس آپ اس معرفت کو دیکھیں تو آپ کا سوال ختم ہو جاتا ہے اور پھر آپ نہیں گے کہ یہ کائنات نیک کے لیے جلوہ ہے اور شر والے کے لیے جلوے کی رکاوٹ ہے۔ تو اچھا برا کون ہوا؟ آپ خود ہو گئے۔ ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے دو آدمی اگر الگ الگ خیال رکھتے ہیں تو یہ کائنات انہیں الگ الگ راز دے گی۔

سوال:

رحمتِ حق کس طرح انسانوں کے کام آتی ہے؟

جواب:

رحمتِ حق شکار کرتی ہے انسانوں کا اور گناہ میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو شکار کر کے لاتی ہے۔ یوں وہ گناہ گاروں کی تلاش میں ہے۔ کیسے تلاش میں ہے؟ کہ انسان غافل ہے اور وہ اس کو جگاتی ہے۔ ہمارا حاصل دراصل اس کی عطا ہے اور ہماری کوشش کا ذریعہ نہیں ہے۔ تو رحمتِ حق سورج کی کرنوں کی طرح اندھیروں کے تعاقب میں جاتی ہے اور روشنی فراہم کرتی ہے۔ اس طرح رحمت حق جو ہے یہ گناہ گاروں کے تعاقب میں جاتی ہے اور کہتی ہے کہ کدھر غافل پھرتے ہو' ادھر آؤ ...... جب کوئی نہ کوئی جلوہ دینے والا بندہ وہاں پہنچ جائے گا تو فیض مل جائے گا۔ یہ ہے رحمتِ حق۔ رحمتِ حق جو ہے یہ خاص واقعہ ہے جو آپ کو حق کی طرف رجوع کرائے گا۔ وہ واقعہ جو اللہ کی طرف رجوع کرائے وہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے' تکلیف بھی ہو سکتا ہے' وہ پریشانی بھی ہو سکتا ہے' وہ غریبی بھی ہو سکتا ہے۔

سوال:

غم کی صورت میں انسان اللہ کے قریب کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

ایک آدمی قبرستان سے گذرا تو ایک شکستہ قبر دیکھ کے بولا۔

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو جا پڑا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
آئی صدا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سرِ پُر غرور تھا

اس نے دیکھا کہ ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں اور آواز آئی کہ اے بے خبر دیکھ کے چل کہ میں بھی کبھی پُر غرور انسان کا سر ہوتا تھا اور آج میں اس حالت میں پہنچا ہوا ہوں۔ تو وہ آدمی جو تھا وہ رو پڑا ......

دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک ہنس رہا ہے اور دوسرا رو رہا ہے۔ ایک نے پوچھا تو ہنس کیوں رہا ہے؟ دوسرے نے کہا تیرے رونے پہ ہنسی آتی ہے۔ اس نے کہا تو کیوں رو رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تیری ہنسی پہ رونا آ رہا ہے۔ تو بات اتنی سی ہے کہ رونے والا رو رہا ہے اور ہنسنے والا ہنس رہا ہے۔ یہ کائنات دونوں کے لیے الگ جلوہ ہے، بالکل الگ جلوہ۔ جو فانی ہے اُس کو اس کائنات میں فنا مل کر رہے گی۔ کہتا ہے چار دن کا میلہ ہے اور کیا ہے، یہ سب کیا ہے، ہر شئے فانی ہو جائے گی۔ اور جس کا باقی کے ساتھ تعلق ہو جائے گا وہ کہتا ہے کہ ہر شئے باقی ہے، ہر چیز موجود ہے، اس کا جلوہ عین موجود ہے۔

تو یہ سب آپ کا اپنا خیال ہے۔ لہٰذا آپ اپنے خیال کی اصلاح کریں۔ اپنا نام آپ خود رکھیں، اپنے گلے آپ بند کریں، کچھ فیصلے اللہ کی طرف سے ہونے دیں اور کچھ اپنی طرف سے فیصلے کر لیں۔ پہلے فیصلہ یہ کرو کہ تم نے راضی رہنا ہے کہ نہیں رہنا۔ راضی وہ ہے جو تقاضا نہ کرے۔ تو راضی کون ہے؟ جو تقاضے نہ کرے۔ ایک تو سائل ہوتا ہے کہ اُس نے آواز دی اور سوال پورا کرا کے چلا گیا اور دوسرا طالب ہوتا ہے، وہ دروازے پر بیٹھنے والا ہوتا ہے اور وہ سوال نہیں کرتا۔ طالب ہونا جو ہے یہ بہت بہتر ہے کہ وہیں کے ہو رہو اور جو وہ عطا کرتا ہے اس پہ راضی ہو جاؤ۔ تو وہ بس وہیں اس در کے ہو گئے۔

سوال:

سر! شکر کی کیا صورتیں ہیں؟

جواب:

شکر کی کئی صورتیں ہیں۔ شکر کی ایک صورت یہ ہے کہ گلہ نہ ہو، بندوں کا گلہ بھی نہ ہو، خالق کا گلہ بھی نہ ہو، زندگی کا گلہ بھی نہ ہو اور شب و روز کا گلہ نہ ہو۔ زندگی کا حاصل اور محرومیوں کے حوالے سے جائزہ نہ لینا شکر کی تعریف ہے۔ تو اسے حاصل اور محرومیوں کی شکل میں نہ تولو، یہ بھی شکر ہے۔ زندگی میں نہ کچھ کھونا ہے اور نہ پانا ہے بلکہ آنا اور چلے جانا ہے۔ شکر کی بات یہ ہے کہ زندگی میں اپنی Comfort کو عطا کرنے والے محسنوں کو تلاش کرو اور پھر محسن کا احسان ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے شکر کی یہ شکل بتائی ہے کہ جس نے انسان کا شکر ادا نہ کیا اس نے میرا شکر کیا ادا کرنا ہے۔ پہلی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو یعنی

First and Foremost بات یہ ہے۔ جب ان کا شکر ادا کر لیا تو پھر اپنے محسنوں کا شکر ادا کرو' پھر اپنے اُن قواء کا شکر ادا کرو جو آج تک مفلوج نہیں ہوئے' اپنے ہاتھ کا شکرادا کرو کہ تیری مہربانی کہ تو ابھی تک چلتا جا رہا ہے' جو بھی نعمت موجود ہے اس پر شکرادا کرو۔ جو گیا اس کو بھول جا اور جو بچا ہے اس پر شکر ادا کرو۔ شکر تکالیف میں گنگناتا ہے۔ اس لیے شکر والا تکالیف کا اعلان نہ کرے تو یہ شکر کی انتہائی شکل ہے۔ یعنی تجھے تکلیف ہے اور ساری دنیا کو نظر آ رہی ہے' اللہ کو تو اس تکلیف کا پہلے ہی پتہ ہے کیونکہ وہی تو تکلیف بھیجنے والا ہے' تو تکلیف کا اظہار نہ کرنا شکر کے درجے میں داخل ہونے کے برابر ہے۔ لہٰذا اپنی تکلیف کا اظہار نہ کرنا بلکہ جو تکلیف ہے اسے دل میں رکھنا۔ اس لیے پہلی بات یہ ہے کہ تو تکلیف کو برداشت کرے تو یہ آدھا شکر ہے اور پھر تکلیف پر مسرت کر کیونکہ اللہ کو یہی پسند ہے' یہ چٹھی خود اس نے لکھی ہے' کسی زمانے میں اس نے راحت کی چٹھی لکھی تھی جو تمہیں بڑی پسند آئی' اور اب یہ تکلیف والی چٹھی اس کی لکھی ہوئی ہے۔ تو یہ جو چٹھی آ گئی ہے اس کو بھی پسند کر۔ وہ بھی قبول کر۔ اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ تو یہ شکر کے درجے ہیں۔ شکر کرنے والا انسان اپنی نعمتوں میں' جو اس کے پاس ہیں' ان میں دوسروں کو شریک کرنا پسند کرے گا' اُن لوگوں کو شریک کرے گا جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ تو شکر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اپنی آسائشوں میں' اپنے پاس حاصل ہونے والی نعمتوں میں ان لوگوں کو شریک کرنا جن کے پاس یہ آسائشیں اور نعمتیں نہیں ہیں۔ شکر جو ہے فیاض ہوتا ہے' عطا کرتا ہے' غریب ہو کے بھی فیاض ہوتا ہے۔ غریب بھی بڑا سخی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ سوال کیا کسی نے کہ آپ یہ جو کہہ رہے ہیں تو غریب کیسے سخی

ہوسکتا ہے، سخی تو اللہ کا دوست ہوتا ہے اور جو امیر ہو وہ تو سخی ہوسکتا ہے لیکن غریب کیسے سخی ہوسکتا ہے؟ غریب بھی سخی ہوسکتا ہے اگر وہ دوسروں کے مال کی تمنا چھوڑ دے۔ اس طرح وہ سخی ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غنی ہو گیا۔ اگر آپ تکلیف میں ہیں تو اپنے حالات کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا۔ اور اگر آپ آسانی میں ہیں تو لوگوں کو اس میں شریک کریں۔ لوگوں کو اپنے غم میں Involve نہ کرنا۔ ان کے پاس پہلے ہی بڑے غم ہیں۔ شکر کا مطلب یہ بھی ہے کہ لوگوں کو آپ اپنے اعمال سے، اپنے مال سے، اپنے خیال سے آسانی عطا کرو۔ یہ زندگی کا شکر ہے کہ لوگوں کی زندگی سے Burden، بوجھ کم کرو اور لوگوں کو آسانی دو۔ زندگی کا شکر یہ ہے کہ یہ زندگی، زندگی کے کام آئے۔ شکر کی ایک اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان جو ہے وہ ہمہ حال سجدے کی کیفیت میں رہے۔ شکر جو ہے یہ سرنگوں ہو جاتا ہے۔ شکر والا پھل دار شاخ ہے جو جھک جاتی ہے اور گلہ جو ہے یہ بے ثمر شاخ ہے جو اکڑ جاتی ہے۔ گلہ ہمیشہ بے ثمر رہتا ہے اور شکر جو ہے یہ ثمر دار شاخ کی طرح ہمیشہ جھکا رہتا ہے۔ شکر کے اندر Wisdom، دانائی پیدا ہو جاتی ہے اور گلے کے اندر انسان Barren، ویران ہو جاتا ہے اور وہ Complaint، گلہ، شکوہ، شکایت کرتا ہے، پھر وہ جو پروگرام بناتا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے، پھر بنائے گا تو پھر ٹوٹ جائے گا اور شکر کرنے والے کا کوئی پروگرام نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اسے بنا بنایا پروگرام ملتا ہے۔ اس لیے شکر کرنے کی بے شمار حالتیں ہیں، ہر حال شکر والا حال، ایک عادت ہے، ایک کیفیت ہے اور ایک مزاج ہے۔ شکر کرنے والے ہر حال میں شکر کریں گے۔ آپ اپنی زندگی بناؤ، ضرور بناؤ لیکن زندگی کو بوجھ نہ بناؤ۔ تو آپ جو زندگی بنا رہے ہیں اب اس کو بوجھ نہ بنا لو۔ اس طرح زندگی آزمائش

ہے اور تمہیں Heart Trouble دل کی تکلیف ہو جائے گی۔ جیسے بھی زندگی گزر رہی ہے بس گزر رہی ہے، ٹھیک ہے، آج کا دن جو گزرا بس گزر ہی گیا، آج کے دن کی شام ہوگئی ہے جب کہ صبح آپ کہہ رہے تھے کہ شام نہیں ہوگی۔ اکثر صبح ہو تو دل میں آتا ہے کہ آج شام کیسے ہوگی، آج کی شام نہیں ہوسکتی، دن بڑا مشکل گزرے گا لیکن یہ گزر گیا۔ یہ گھڑی بھی گزر جائے گی اور پھر مرنے کا وقت آجائے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس لیے یہ وقت کشاں کشاں گزرتا جارہا ہے۔ آپ سکون سے، آرام سے، محبت سے، اللہ کے فضل سے، شکر سے چلتے جاؤ۔ اور جب میں نے یہ کہا تھا کہ اب کسی اور پیغمبر نے نہیں آنا تو نہیں آنا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام جو ہے مکمل ہے۔ مسلمانوں کو وقت یہ ہو رہی ہے کہ وہ ماضی سے رابطہ نہیں کررہے ہے۔ کیونکہ اب مستقبل سے رابطہ نہیں ہونا، کیونکہ پرانے زمانے میں یہ تھا کہ جہاں کوئی تعلیم سمجھ میں نہ آئے تو نیا پیغمبر آجاتا تھا، نیا پیغمبر اب نہیں آئے گا۔ اب آپ کا اولیائے کرام سے رابطہ ہوگا۔ اب ان کی تعلیمات سے اپنا فیض حاصل کرو۔

سوال:

فیض کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب:

جس بزرگ سے آپ کی نسبت ہو، چاہے ماضی میں ہوں، ان کے نام سے وابستہ ہونے کے بعد اپنے عمل کا جائزہ لے لو، یا وہ کام کرو جو انہوں نے کیا یعنی کہ وہ جو کام کیا کرتے تھے یا پھر وہ کام کرو جو تمہارے خیال میں ان کو پسند ہو۔ تو ایسا کام کرو جو انہوں نے کیا یا وہ کام کرو جو تمہارے خیال میں اُن کا

پسندیدہ ہو۔ بس! پھر آپ کو ان کی نظر سے فیض مل جائے گا۔ اس بزرگ سے کب فیض ملتا ہے؟ جب آپ وہ کام کرو جو انہوں نے کیا، اگر وہ مشکل ہو تو بھی وہ کام کرو یعنی کہ وہ کام جو آپ کے خیال میں ان کو پسند ہو۔ اس بزرگ کی پسند کا خیال رکھنا ہی اس سے فیض لینے کے برابر ہے۔ آج کی زندگی میں کل کے بزرگوں کا خیال رکھنا فیض ہی فیض ہے اور بڑا فیض ہے۔ آج کی زندگی میں انسان بڑا مصروف ہے۔ پوچھا تو کس کو یاد کر رہا ہے؟ کہتا ہے میں ماضی کو یاد کر رہا ہوں جو کہ ہمارے بزرگ ہیں، ہم ان سے مانگتے ہیں، ان کو مانتے ہیں۔ آپ جن کو مان رہے ہیں تو یہ ان کا فیض ہے۔ یہ زندگی جس میں لوگ کسی کو نہیں مانتے اس میں آپ ماننے والے پیدا ہو گئے، تو یہ فیض کی دلیل ہے۔ فیض کی ابتداء یہ ہے کہ انسان ماننے والا بن جاتا ہے، ماننے والا یقین سے مانے تو فیض لینے والا بن جاتا ہے اور پھر جب ان کا عمل آپ کی زندگی میں اتر جائے تو یہ اور قسم کا فیض بن گیا۔ اگر آپ کا عمل ان کی خوشنودی کا باعث بن جائے تو پھر آپ کے لیے اور طرح سے آسانی آ گئی۔ تو آپ اپنے اعمال کو ان کی نسبت سے کیا کریں بزرگوں کو یاد رکھا کریں اور شکر کیا کریں کہ آپ کو اسلام عطا ہوا۔ آج لوگوں کو اسلام کی بات سمجھ نہیں آ رہی لیکن جب سمجھ آئے گی تو کافر چیخیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ وقت بھی آئے گا کہ جب کافر، جو آج اِتراتا ہے مال پر، اور فخر کرتا ہے اپنی کامیابی پر، زور سے چلائے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا! ذٰلک الیوم الحق تو اس دن کا آنا حق ہے یقول الکفر یلیتنی کنت ترابا اور کافر یہ کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔ اس دن کے لیے آپ آج ہی فیصلہ کرو۔ اس دن میں خوش رہنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟ آج کل غم بھی قبول کرو۔ ہمیشہ کے لیے زندگی خوش

ہو جائے گی۔ اس لیے کسی فیض یافتہ شخص کے تعلق میں آ جاؤ، ایسے تعلق میں آ جانا فیض کی ابتدا ہے۔

سوال:

کیا ہم لوگوں کو اس پیغام کی تبلیغ کیا کریں ......

جواب:

آپ اگر کافروں کے علاقے میں جا کے اذان کہیں گے تو وہ آپ کو سخت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جب تک آپ کے پاس دین کی سمجھ نہ ہو آپ اسے بیان نہ کرنا۔ بیان کرنے سے پہلے اس کی اجازت لینی ہوتی ہے اور پھر بیان کرتے ہیں۔ آپ ایسے ہی جا کر بیان نہ کر دینا کہ صاحبان، مہربان، سنو اسلام کی بات۔ دوسرا آدمی آپ کو نقصان پہنچا دے گا۔ حکومت اسلام نافذ نہیں کر سکتی تو یہ آپ کیسے کریں گے۔ میں نے آپ کو ایک بات بتائی تھی کہ تبلیغ کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہمارے ہاں یہ ہے کہ تبلیغ بغیر تعلق کے ہو رہی ہے۔ تو آپ تعلق پہلے بناؤ اور تبلیغ بعد میں کرو۔ جو آدمی آپ کو نہیں مانتا وہ آپ کی بات ہی نہیں مانتا اور جو آپ کو مانتا ہے وہ آپ کے کہنے پر سب کچھ ہی مانتا ہے، اس حد تک کہ لوگ ایک دوسرے کے کہنے پر گناہ کر لیتے ہیں۔ تو ماننا تعلق کو ہوتا ہے اور اگر تعلق نہ ہو تو بے تعلق تبلیغ سے باز آ جاؤ۔ تو تبلیغ کا کیا حق ہے؟ پہلے تعلق ہو۔ تعلق بناؤ اور پھر تبلیغ کرو تا کہ ان کو آپ کی ٹرم Term سمجھ آئے اور آپ کو ان کی بات سمجھ آئے۔ پھر تو تبلیغ ہوتی ہے، خالی تبلیغ کرنے کا کیا فائدہ۔ لوگوں پہ ایسے اثر نہیں ہو گا۔ لوگ تو قرآن کی قسمیں بھی جھوٹی کھا لیتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ کو تبلیغ کا شوق ہے تو اس کے لیے پہلے اجازت لو کہ میں نے تبلیغ کرنی ہے اور اجازت لو

گے تو میں کہوں گا کہ آپ تبلیغ نہ ہی کرو۔ اب آخر میں دعا کرنی چاہیے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دینی دنیاوی طور پر کامیاب زندگی عطا فرمائے۔ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات کو دور فرمائے جو آپ کے راستے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں، جو آپ کے دین کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ یا اللہ سب کو ان کے حقوق مل جائیں، آپ سب پر آسانی ہو، اللہ تعالیٰ آپ پر خاص مہربانی فرمائے۔ آمین۔

برحمتک یا ارحم الرحمین
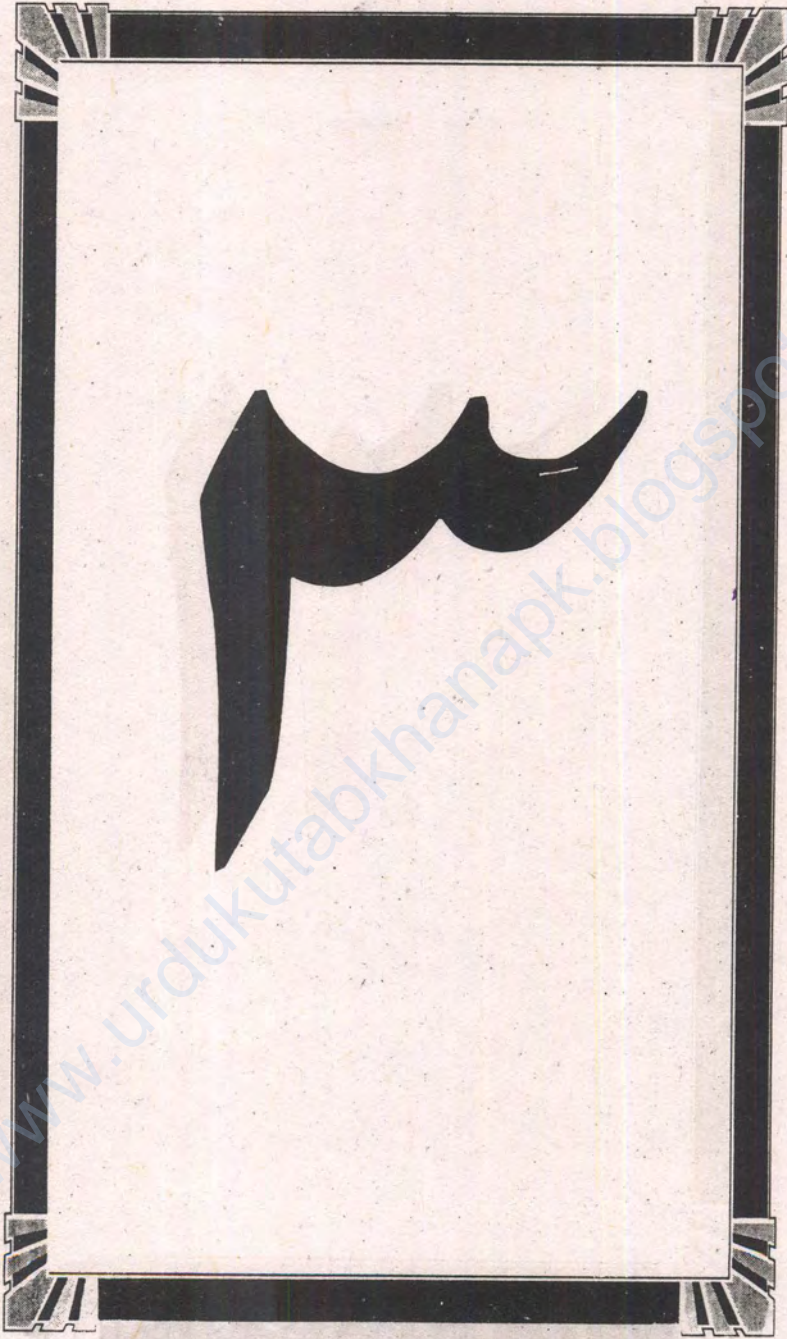
❁ یہ فانی انسان باقی ذات کی تسبیح کیسے بیان کرے؟

سوال:

یہ فانی انسان باقی ذات کی تسبیح کیسے بیان کرے؟

جواب:

اس سفر پر کسی ذات نے انسان کو روانہ کیا ہے۔ انسان خود تو روانہ نہیں ہوا' اگر خود روانہ ہوا ہے تو پھر یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ پھر بھی جانا پڑتا ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر ہمارا اپنا نہیں ہے' اگر اپنا ہوتا تو ہم اپنی مرضی سے جب چاہتے چھوڑ دیتے' جو خود کشی کرنا چاہتے ہیں وہ خود کشی نہیں کر سکتے اور جب زندہ رہنا چاہتا ہے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی بے بسی دیکھیں کہ وہ خوش رہنا چاہے تو خوشی دیر پا نہیں رہتی' بعض اوقات غمگین رہنا چاہتا ہے کیوں کہ کوئی اِنا للہ ہو گیا' فوت ہو گیا' غم پیدا ہو گیا' تھوڑی دیر کے لیے گھر میں ماتم پیدا ہو جاتا ہے' افسوس ہوتا ہے' کچھ دیر کے بعد کہتے ہیں کہ مہمان آئے ہوئے ہیں' کوئی چائے کا انتظام کیا جائے' حالانکہ گھر میں باپ مرا پڑا ہے مگر چائے کا انتظام اور پانی کا انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح غم والے کو دوسرے کام میں لگا دیتے ہیں۔ پھر پوچھتے ہیں کہ قل شریف کب ہیں۔ پھر اس غمگین بیٹے سے کہتے ہیں اب کوئی کھانے کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ یعنی کہ لوگ غم کو غم نہیں رہنے دیتے۔ کہتے ہیں چاول پکاؤ' تھوڑا سا گوشت بھی ڈال

دو، خیر ہے جانا سب نے ہے۔ تو اُسے گوشت کی دوکان پہ بھیج دیتے ہیں اور ساتھ ہی نعت خوان کو بھی بُلا لیتے ہیں۔ تو غم والا کام میں اس طرح مبتلا ہو جاتا ہے کہ اُسے تب پتہ چلتا ہے جب غم اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے ہاتھ سے خوشی بھی نکل جاتی ہے۔ کبھی کبھی انسان آئینے کے سامنے بیٹھتا ہے تو سوچتا ہے کہ وہ جوان ہے، صحت مند ہے، اپنی تعریف کرتا ہے اور پھر اس کی اطلاع کے بغیر اور اجازت کے بغیر اس کے ہاتھوں سے جوانی نکل جاتی ہے حتیٰ کہ بچے بھی اپنے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، کچھ کو آپ رخصت کر دیتے ہیں اور کچھ خود ہی رخصت ہو جاتے ہیں، بیٹیاں آپ خود رخصت کر دیتے ہیں اور بیٹے اپنی بیوی کو لے کے خود ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ تو انسان کے اس دنیا میں کسی حاصل کے دیرپا ہونے کا امکان ہی نہیں ہے، چاہے حاصل غم ہی ہو۔ خوشی دیرپا نہ ہو تو کوئی بات نہیں مگر غم کو تو دیرپا ہونا چاہیے۔ اس دنیا کے اندر انسان کا کوئی حاصل دیرپا نہیں ہے۔ جو ہمیشہ چیلنج کرتا ہے اور ورلڈ کپ جیتتا ہے ایک وقت آئے گا کہ اس کے قواء بھی مضمحل ہو جائیں گے اور وہ کشتیاں لڑنا چھوڑ جائے گا۔ اگر انسان کے باہر کے حالات نہ بھی بدلیں تو اس کے ذاتی Internal حالات بدل جاتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ کسی انسان کو چاند بڑا اچھا نظر آتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ چار چاند نظر آتے ہیں، بلکہ دور کی نظر خراب ہو جاتی ہے، عینک لگانی پڑتی ہے، قریب سے بھی کسی آدمی کو پہچانا نہیں جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی بینائی بھی اندر سے رخصت ہو گئی۔ انسان کو بڑا فخر ہوتا ہے کہ اس کی یادداشت بڑی اچھی ہے مگر پھر کہتا ہے کہ وہ جو ہمارے ساتھ پڑھتا تھا، پتہ نہیں اس کا نام کیا تھا...... شکلیں یاد رہ جاتی ہیں اور نام بھول جاتے ہیں۔ جس دن آپ کو شکل یاد رہ

جائے اور نام بھول جائیں تو سمجھو کہ آپ بڑھاپے کے اندر داخل ہو گئے۔ تو آپ بسم اللہ کر کے اس میں داخل ہو جاؤ اور جوانی کا ذکر چھوڑ دو۔ اب اللہ کے آخری حکم کے انتظار میں رہنا جیسے بکرا بقر عید کے انتظار میں تیار ہو۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ کا سارا حاصل یادداشت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ساری یادداشت ہی غائب ہو جاتی ہے۔ تو جس نے اتنا بڑا علم اور اتنے بڑے فلسفے بیان کرنے تھے اب اس سے پوچھیں تو وہ کہتا ہے اب کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ تو جس کے فلسفے اور ڈرامے پر انسان کو بڑا فخر تھا وہ اس کا نام ہی بھول گیا۔ جو غزلیں اسے یاد تھیں اب اس کا کوئی شعر نہیں آتا۔ تو یادداشت ساتھ نہیں دیتی اور لوگ ادباً خاموش ہو جاتے ہیں کہ بیچارہ بوڑھا ہو گیا ہے' اب یادداشت ساتھ نہیں دیتی۔ بلکہ بعد میں اپنی بات ساتھ نہیں دیتی' سانس ساتھ نہیں دیتا اور پھر وہ ''اِنا اللہ'' ہو جاتا ہے۔ تو یہ آپ کی وہ چیزیں ہیں جو آپ کے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں۔ تو چیزیں تو ہاتھ سے نکلتی رہتی ہیں۔ آپ کو پہلے دن ہی سے یہ سبق مل جانا چاہیے تھا کہ ہر چیز ہاتھ سے نکل جاتی ہے' پیسے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں' مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں' پھر اپنا حاصل ہاتھ سے نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ بڑا اذیت ناک مرحلہ ہوتا ہے۔ اگر مواقع ہاتھ سے نکل جائیں تو انسان اداس نہیں ہوتا کیوں کہ پھر اور موقع آ جائے گا لیکن جب حاصل ہاتھ سے نکل جائے تو بڑی اذیت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی بڑا خوش تھا کہ شادی ہو گئی' بہت اچھا ہو گیا' سب سے اچھا عمل یہی تھا اور اب کہتا ہے کہ زندگی میں یہ بڑی غلطی کی ہے میں نے۔ تو جس بات پہ اُسے فخر تھا اب اس پہ ندامت کرتا ہے۔ یہ انسان کا عارضی پن ہے کہ اس کا کوئی حاصل دیرپا نہیں ہے۔ اور انسان کو اس دنیا میں بھیجنے والے

نے بھیجا۔اس کی دنیا ہمیشہ رہنے والی ہے۔شہر بھرے رہتے ہیں اور واقفیت والے چہرے ختم ہو جاتے ہیں۔آج شہروں میں گہما گہمی ہے' بازار اسی طرح بھرے ہوئے ہیں لیکن آپ بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاؤ تو کوئی واقف چہرہ نہیں ملے گا۔کبھی اپنے گاؤں میں جاؤ تو ساری دکانیں اور بازار بھرے ہوئے ہیں لیکن کوئی واقف بندہ نہیں ملے گا' سارے کے سارے ایک ایک کر کے چلے گئے' رخصت ہو گئے۔یہ ہے انسان کی زندگی کا عارضی پن۔اور بھیجنے والا ہمیشہ رہنے والا ہے۔ کل من علیھا فان و یبقٰی وجہ ربک ذوالجلٰل والاکرام جو کچھ یہاں ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور صرف تیرے رب کا چہرہ باقی رہنے والا ہے جو جلال اور اکرام والا ہے۔جو مسافر آیا وہ ہمیشہ نہیں رہے گا لیکن میلہ چلتا رہے گا' میلہ چراغاں ہمیشہ رہے گا اور میلہ دیکھنے والی سنگتیں نہیں رہیں گی۔جب آپ میلہ دیکھتے تھے تو آپ کی بے شمار Activities ہوتی تھیں اور اب سارا میلہ جھمیلہ آپ اکیلے ہی دیکھتے ہو بلکہ اس کو بھی آپ نہیں دیکھتے' دیکھنا ختم کر دیا۔تو یہ ہے انسان۔تو دنیا بھی انسان کے مقابلے میں باقی رہنے والی ہے۔ایک آدمی مکان بنا رہا تھا' اس نے مستری سے کہا کہ ذرا پکی اینٹ لگانا۔مستری نے کہا پرواہ نہ کرو' آپ کے بعد بھی یہ مکان ٹھہرے گا۔اس نے کہا پھر یہ بند کر ہی دو...... تو آپ کے ہاتھ کا بنایا ہوا مکان آپ کے بعد تک ٹھہرتا ہے۔گویا کہ لمبی بقا فنا کی بجائے ابھی کی چھوٹی بقا فنا کو دیکھ لو' آپ جس مکان کے مالک ہیں' وہ باقی ہے اور مالک فانی ہے۔تو آپ فنا ہو جائیں گے اور آپ کی بنائی ہوئی چیز دیرپا ہے' اسی طرح بازار رہتے ہیں' شہر رہتے ہیں' مسجدیں رہتی ہیں' محلات رہتے ہیں چاہے وہ کھنڈر ہی ہو جائیں' یادیں رہتی ہیں لیکن

آپ نہیں رہتے۔ قسمت والوں کی یادیں رہتی ہیں ورنہ یادیں بھی نہیں رہتیں۔ بقا کا یہ راز بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کی یادیں ان کے جانے کے بعد ادب کے ساتھ قائم رہیں تو وہ بقا سے واصل ہوتے ہیں۔ یہ راز یاد رکھ لو اور ان پر سلام و درود بھیجا کرو۔ گویا کہ انسانی زندگی ختم ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہوتی۔ کچھ لوگوں کی زندگی تو Death End ہے' اُن کا ہونا اور نہ ہونا دونوں بے کار ہیں' وہ جب تھے تو بھی پتہ نہیں تھا اور جب گئے تو بھی پتہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کے لیے کچھ اور حکم ہے۔ اور اگر آپ اپنے آپ کو مکمل فنا اور مکمل تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو باقی رہنے والی اشیاء' باقی رہنے والے نظارے' باقی رہنے والی یادیں' باقی رہنے والا علم اور باقی رہنے والی ذات کے قریب ہو جاؤ۔ باقی رہنے والی اشیاء کیا ہیں؟ آپ فنا ہو جاتے ہیں اور پہاڑ باقی رہ جاتا ہے۔ تو آپ پہاڑوں کے قریب ہو جاؤ' آپ موت سے بچ جاؤ گے' موت کی اذیت اور کرب سے بچ جاؤ گے۔ باقی رہنے والی چیزیں چاہے نظارے کی شکل میں ہوں' حُسن کی شکل میں ہوں' تجلی ہو یا جمال ہو۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلٰل والاکرام تو ستارے رہیں گے' چاند رہے گا' سورج رہے گا' سورج سے نسبتیں رہیں گی' چاند سے نسبتیں رہیں گی حتیٰ کہ خانقاہ سے نسبت رہے گی۔ خانقاہ آپ کی ہوتی ہے چاہے کسی کی بھی ہو یعنی عقیدت اگر آپ کی ہے تو خانقاہ آپ کی ہے۔ جو خانقاہ میں گیا اسے تو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ خانقاہ کیا ہے' خانقاہ تو آپ نے بعد میں بنائی ہے۔ تو صاحبِ خانقاہ کو تو پتہ نہیں تھا کیوں کہ وہ تو زندہ تھا اور جب اس کا وصال ہو گیا تو آپ نے اس کی خانقاہ بنا دی۔ اس صاحبِ خانقاہ نے اپنی خانقاہ نہیں دیکھی ہے کیوں کہ وہ تو آپ نے دیکھی ہے۔ تو خانقاہ کس کی؟ دیکھنے والے کی' جانے والے کی جو وہاں

گیا۔ وہ جو اصلی مالک ہے وہ تو مرنے کے بعد وہاں گیا۔ لہٰذا خانقاہ ان کی ہے جن کا وہاں پر Visit ہو۔ تو ان کے قریب ہو جانے سے بھی آپ فنا سے نکل جاتے ہیں' فنا کا خیال نکل جاتا ہے...... تو جن لوگوں کی یادیں ادب اور احترام کے ساتھ دیرپا ہوں ان کا نام بقا والوں کی لسٹ میں لکھا جا سکتا ہے۔ اب یہاں پر مذہب اور لامذہب کا ذکر آئے گا مثلاً ہیر ہے اور رانجھا ہے تو دونوں بقا کے اندر ہیں۔ اگر ان کی محبت میں پڑھنے والوں کے لیے احترام نہیں تھا تو وارث شاہؒ نے اس کے اندر احترام پیدا کر دیا۔ اب لوگ جب ہیر پڑھیں گے تو ادب سے پڑھیں گے کیوں کہ وارث شاہؒ نے اس کے اندر روحانی تجلیات کا نشان لگا دیا اور وہ مضامین بیان کر دیے جن کا تعلق عرفان سے ہے۔ حالانکہ واقعہ تو ہیر رانجھے کا ہے مگر اس میں تقدیر کے موضوع کو اس طرح بیان کر دیا گیا ہے کہ:

تقدیر خدا دی کون موڑے تقدیر پہاڑ پلٹ دی اے
یوسفؑ جئے پیغمبر زادیاں نوں تقدیر کھوئے وچ سٹ دی اے

یعنی اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے کیوں کہ یہ تقدیر ہی ہے جو پہاڑوں کو الٹ کے رکھ سکتی ہے اور یوسف علیہ السلام جیسے پیغمبر زادہ کو یہ تقدیر کنوئیں میں ڈال دیتی ہے۔ تو ہیر کو وہ مقام مل گیا جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استقامت کے ساتھ چلنے والے لوگ عام طور پر دین میں داخل کر دیے جاتے ہیں۔ اگر آپ کو اپنی صداقت میں استقامت ہو جائے تو دین مل جاتا ہے' صداقت کا معنی ہے سچ بولنا۔ استقامت کے ساتھ سچ بولتے جاؤ تو اللہ کی جانب سے جو انعام ملے گا وہ دین ہو گا' اس طرح دین مل جاتا ہے۔ اب آپ کا سوال کہ یہ فانی انسان باقی ذات کی تسبیح کیسے بیان کرے' تو باقی ذات تو اللہ تعالیٰ کی

ہے۔عام طور پر آپ نے یہ سنا ہوگا کہ سبحان اللہ' الحمد للہ اور اللہ اکبر' تسبیح ہے۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ کریم نے اس فانی اور عارضی انسان کو جس سفر میں بھیجا اس سفر میں اگر اللہ کا جلوہ نہیں ہے تو سفر پر بھیجنے کا منشاء پھر الٰہیات کیسے ہوگا؟ پھر تو دین کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ اگر دین کا جلوہ موجود نہ ہو تو کسی انسان کو دین کا پیغام دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جب وہ بار بار کہتا ہے کہ آنکھیں کھولو اور میری کائنات کو دیکھو' اس میں کوئی کجی نظر نہیں آئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھنے میں اللہ کا کوئی نہ کوئی جلوہ نظر آنا چاہیے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فاینما تو لوا فثم وجہ اللہ جدھر بھی آنکھ اُٹھا کے تم دیکھو گے تمہیں اللہ کا جلوہ' چہرہ نظر آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہل عقیدت ہیں' اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت ہے وہ جب اس کائنات میں' جو Matter of fact کائنات ہے Material کائنات ہے' اینٹ گارے کی کائنات ہے' صرف یہ دیکھیں گے کہ یہ صرف مادی اشیاء کی کائنات ہے تو پھر یہ سفر غیر اللہ کا تھا اور اس سفر میں پیغمبر نہ آتے۔ لیکن یہ سفر غیر اللہ نہیں ہے۔ اس میں اس کا کوئی جلوہ ضرور ہے۔ یہاں پر آپ کو لفظ ''سبحان اللہ'' ملتا ہے کہ کیا کائنات ہے! چلتے چلتے' زندگی کی عام روٹین میں Matter of fact زندگی میں چلتے چلتے اچانک آپ کو کوئی جلوہ Captivate کر جائے تو آپ کے منہ سے بے ساختہ ''سبحان اللہ'' نکلے گا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی کی ابتداء ہوتی ہے۔ ایک وابستگی یہ ہوتی ہے کہ اس پر پابندی لگا دی جائے کہ نماز پڑھتے جاؤ مگر اس طرح جلوہ نظر نہیں آئے گا۔ ایسا شخص حکم یا اطاعت کے مطابق کام کرتا ہے مگر اسے جلوہ نہیں ملتا۔ دیکھنے والے کو کہیں نہ کہیں ایسا جلوہ نظر آ جائے گا' اچانک نظر آئے گا' جو اُسے Capture کر جائے گا اور اس کے منہ سے

نکلے گا ''سبحان اللہ'' ! یہ کیا جلوہ ہے!'' اس میں ایک راز ہے۔ وہ جلوہ کبھی کبھی اشیاء میں نظر آئے گا مثلاً چاند وہی ہے جو روز دیکھتے تھے مگر آج جب اس کو دیکھا تو اس کے علاوہ کچھ دیکھ ہی نہ سکے' اس میں کچھ اور ہی بات نظر آئی اور وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ چاند کے ساتھ تارہ ہمیشہ نظر آتا ہے مگر اب اس کے ساتھ تارہ نظر آیا تو پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا' ایسا محسوس ہوا کہ وہ زمین کو چھوڑ چکا ہے۔ اسی طرح جب ڈوبتے سورج کا منظر دیکھا تو پتہ نہیں کیوں رونے لگ گیا۔ پتہ نہیں چلا کہ کیوں رویا تھا۔ پوچھا تو کہنے لگا مجھے ایسے محسوس ہوا کہ کوئی جوان مر رہا ہے۔ یعنی اسے سورج کی لاش نظر آئی۔ تو یہ ہے عام اشیاء میں خاص مفاہیم کا ادراک۔ یعنی کہ پہاڑ عام اشیاء میں سے ہے لیکن جب اس میں آپ استقامت کا ادراک ڈھونڈ لیں کہ یہ استقامت کا پیغام ہے تو اب پہاڑ آپ کے سامنے ایک Symbol بن گیا' ایک علامت بن گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ Look at my mountain میرے پہاڑوں کو دیکھو' تو اب یہ جلوہ ہے۔ اس طرح دیکھیں تو پہاڑ جلوہ ہے' استقامت ہے' اتنے قوی پہاڑ بنانے والے نے ریت کا ذرہ بھی بنا دیا' کیا مالک ہے' سبحان اللہ! کمال کی بات ہے، وہ جو ہاتھی بنانے والا ہے اس نے چیونٹی بھی بنا دی، چیونٹی میں عجب قدرت رکھ دی ہے اور ہاتھی میں عجب قدرت رکھ دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کبھی اونٹ کی طرف دیکھو کہ کیف خلقت میں نے اسے کیسے بنایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دیکھو گے تو پتہ چلے گا کہ کیسے بنایا ہے۔ اس طرح آپ کو اندر سے ادراک ملے گا' اس کا مفہوم ملے گا۔ اگر آپ شاہین کو دیکھیں گے تو اس میں فلائٹ ملے گی' Love for height ملے گی' اس کی جرأت ملے گی۔ اس لیے اقبالؔ نے اسے پورا مردِ مومن کہا حالانکہ کسی پرندے کو

مردِ مومن نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کو پرندے میں وہ صفات نظر آئیں:

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

تو یہ بات شاہین نے تو نہیں کی، یہ تو اقبال کہہ رہا ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تمہیں مکان نہیں ملا اور تمہارے پاس جیوگرافیکل ریجن نہیں ہے تو تم گھبرانا نہیں بلکہ تم اللہ کا نام لے کے پرواز کرتے جانا۔

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا

اور پھر یہ کہا کہ۔

اگر کھو گیا نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

یعنی اگر ایک آشیانہ چلا گیا تو کیا غم ہے، زندگی میں اگر رونا دھونا ہی ہے تو یہ ایک مقام نہ سہی کوئی اور سہی، اس جگہ رولیں گے، مرلیں گے۔ اس شخص کو شاہین کی جرأت کا Symbol ملا۔ تو شاہین مر جائے گا لیکن مردار نہیں کھائے گا اور گدھ مر جائے گا لیکن زندہ کو نہیں کھائے گا۔ گدھ کے لیے اور کہانی ہے۔ تو مختلف چیزوں میں آپ کو صفات نظر آئیں گی کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا رکھا ہے۔ مثلاً دریا کے اندر پاکیزگی کیسی ہے اور روانی کیسی ہے، سمندر کے اندر وسعت کیسی ہے اور سمندر آپ کو اپنے ساتھ واصل کر لے تو روح کی آشنائی ہو جاتی ہے۔ روح کو سمجھنے والے عام طور پر پہاڑوں میں، سمندروں میں یا صحراؤں میں رہتے ہیں۔ اقبال نے کہا ہے کہ:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

تو انسان عام اشیاء میں خاص معانی تلاش کر لیتا ہے۔ عام شے میں خاص معانی تلاش کرتے وقت جو کیفیت ہوتی ہے اس کا نام ہے ''سبحان اللہ''۔ مثلاً ایک عام گلاب تھا' آپ اسے روز دیکھتے تھے' مگر ایک دن وہ گلاب پوری کائنات بن گیا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ افراد میں اللہ کا جلوہ ہوتا ہے' افراد کا معنی ہے انسانوں میں۔ ایک آدمی کہیں جا رہا تھا' چار بجے اس کی فلائٹ تھی مگر وہ نہیں گیا۔ کسی نے پوچھا تو کہنے لگا راستے میں کوئی چہرہ نظر آ گیا' اس کے بعد ہمارا سفر ختم ہو گیا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہوا:

جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اٹھنا یاد ہے
پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو ہوش تھا

تو ایسی بات بھی ہو جاتی ہے کہ افراد میں جلوہ نظر آ جانا ایک خاص مقام ہے۔ یہ ''سبحان اللہ'' کا مقام ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جس طرف دیکھو اللہ کا چہرہ ہو گا۔ مجنوں سے پوچھا گیا کہ تم نے دنیا میں کیا دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے صرف لیلیٰ کو دیکھا یعنی صرف اللہ کا جلوہ دیکھا' اس کے علاوہ اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ اسی طرح رانجھے کو جلوہ نظر آیا اور وہ مثال الٰہیات میں شامل ہو گئی کہ رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی۔ گویا کہ اشیاء میں اللہ کا جلوہ' افراد میں اللہ کا جلوہ اور کبھی کبھی آپ کی تنہائی میں آپ کو اللہ کا جلوہ نظر آ جائے گا' کبھی سجدے میں وہ بات مل جائے گی۔ اگر روٹین کی چیز یک لخت کوئی حادثہ بن جائے تو انسان ''سبحان اللہ'' کہتا ہے۔ تو 'سبحان اللہ'' کیا کیفیت ہے؟ اللہ کا وہ

قرب جو عام شے کو خاص بنا دے۔ اس نے دیکھا پہلے بھی تھا' سنا پہلے بھی تھا لیکن اب جب دیکھا تو کچھ اور ہی دیکھا...... تو یہ ہے مقامِ محویت۔ مقامِ محویت یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کو آپ دیکھتے ہی چلے گئے' پھر وہ چیز پیاس بن گئی یا وہ چیز تشنگی بن گئی یا وہ چیز زندگی بن گئی۔ اسی زندگی میں ایسے واقعات ہو جاتے ہیں اور یہ جلوؤں کی شکل میں ہو سکتا ہے' اشیاء کی شکل میں ہو سکتا ہے' انسانوں کی شکل میں ہو سکتا ہے اور کبھی کبھی افکار کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ ایک واقعہ میرے ساتھ ہوا تھا۔ کراچی میں کسی نے مجھ سے سوال کیا تھا۔ وہاں ایک فنکشن تھا جہاں میں تقریر کر رہا تھا۔ اس شخص نے پوچھا کہ آپ خوش نصیب کی تعریف کریں کہ خوش نصیب کسے کہتے ہیں۔ میں نے اللہ سے دعا کی اور پھر اسے بتایا کہ اتنی سی بات سمجھ لو کہ جو اپنے نصیب پر خوش ہو۔ تو لفظ چھوٹا سا تھا اور وضاحت بھی چھوٹی مگر اس کو بات سمجھ آ گئی۔ اب اگر کوئی اس بات پر ''سبحان اللہ'' کہہ دے تو یہ سمجھو کہ عام الفاظ جو ہیں وہ خاص معانی دینے لگ گئے۔ گویا کہ جب کبھی عام لفظ خاص معانی دینے لگ جائیں تو سمجھو کہ وہاں پر کوئی اور شے آ گئی۔ اگر آپ کی زندگی عام حالات سے نکل کر خاص بن جائے تو سمجھو کہ کوئی اور شے آ گئی۔ زندگی نثر سے نکل کر نظم میں داخل ہو جائے تو سمجھو کہ کوئی اور شے آ گئی۔ اور یہ ''سبحان اللہ'' کا مقام ہے۔ زندگی میں حاصل کرنے کی تمنا جب دینے کی تمنا میں بدل جائے تو سمجھو کوئی اور شے آ گئی۔ ایسے شخص سے کسی نے پوچھا کہ کوئی نفع کی بات بتاؤ تو وہ کہتا ہے نفع کی بات چھوڑو مجھے تو نقصان کی تمنا ہے۔ تو ایسا مقام بھی آ جاتا ہے۔ اس سے پوچھیں کہ آپ کے دکھ کا کیا حال ہے تو وہ کہتا ہے:

خدا کرے کہ یہ دکھ دور ہی نہ ہو ہرگز

کیوں کہ اب اس کی کوئی اور ہی کہانی بن گئی۔ اس سے پوچھو کہ سب سے اچھی آنکھ کون سی ہوتی ہے تو وہ کہے گا جو آنسوؤں سے بھری ہوئی ہو۔ اس کے حساب سے یہ سب سے اچھی آنکھ ہے جسے نیا جلوہ نظر آ گیا ہے اور سب سے بری آنکھ کون سی ہوتی ہے؟ وہ کہتا ہے لالچی آنکھ اور بے حیا کی آنکھ۔ جب عام حالت میں خاص بات پیدا ہو جائے اور عام شے جب خاص بن جائے تو یہ مقام ایسا ہوتا ہے کہ جہاں پہ کوئی اور ذات ہے جو آپ کو نیا علم عطا کر رہی ہے۔ جب نیا علم عطا ہونے لگ جائے تو پرانے الفاظ میں نیا معنیٰ نکل آتا ہے۔ تو یہ مقام ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کا اور ''سبحان اللہ'' کہنے کا۔ مثلاً یہی بادل روز ہوتے تھے مگر آج تو ایسا سماں باندھ دیا کہ بس، یہی پرندہ روز گاتا تھا مگر آج اس نے گایا تو پھر چیخیں نکل گئیں، تو ایسا محسوس ہوا کہ انسان اس کی آواز پہ رونے لگ گیا۔ فراق کی آواز، گانے کی آواز یا کوئی اور آواز ایسا کر سکتی ہے۔ تو عام زندگی کا روٹین کسی ایک مقام پر جا کے دوسرے معنی دینے لگ جائے تو یہ ''سبحان اللہ'' کا مقام ہے۔ ایک مسافر سفر کر رہا ہوتا ہے اور اُسے چلتے چلتے ایسا مقام مل جاتا ہے کہ سبحان اللہ کہتا ہے۔ جنگل میں پیاس لگ جائے، بڑی شدت کی پیاس ہو، کوئی انتظام بھی نہ ہو اور اچانک کوئی آدمی آ جائے کہ یہ پانی پی لو۔ اور وہ پانی پلا کے چلا جائے، پتہ بھی نہ ہو کہ بندہ کون تھا، تو آپ کے منہ سے ''سبحان اللہ'' نکلے گا۔ ایک آدمی دریا کے کنارے جا رہا تھا، سیر کر رہا تھا، کہتا ہے میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا بچھو بھاگتا ہوا دریا کی طرف جا رہا ہے۔ اس نے مجھے نہیں چھیڑا۔ میں نے بھی اس کو نہ چھیڑا۔ ایک لکڑی تیرتی ہوئی کنارے پر آئی اور وہ بچھو اس پہ چڑھ گیا۔ لکڑی تیرتی ہوئی دوسرے کنارے کی طرف چل پڑی۔ میں بھی پانی میں چل پڑا

تا کہ دیکھوں کہ کیا واقعہ ہے۔ پرلے کنارے پر بچھو اتر گیا۔ وہ آگے آگے چلتا گیا اور میں پیچھے پیچھے۔ آگے جا کے دیکھا تو ایک درخت کے نیچے ایک آدمی سویا ہوا تھا اور ایک سانپ وہاں اس کو ڈسنے والا تھا۔ بچھو نے سانپ کو ڈسا' سانپ تڑپا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بچھو اسی طرح واپس چلا گیا' وہاں کنارے پر لکڑی آئی اور وہ بیٹھ کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ میں اس آدمی کے پاس گیا۔ سوچا یہ کون آدمی ہے ''سبحان اللہ'' کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ ہوا۔ میں نے اُسے جگایا اور اس سے کہا مجھے بھی کوئی فیض دیں' خدا کی راہ دکھا خدا کے بندے۔ اس شخص نے کہا تو کیا کہہ رہا ہے' میں تو خدا کو مانتا نہیں ہوں' میں تو کافر ہوں۔ اس نے کہا اگر تو کافر ہے تو یہ دیکھ تیری جان بچانے کا کیا واقعہ ہوا پڑا ہے۔ اس نے دیکھا تو حیران رہ گیا اور کہنے لگا اگر تجھے خدا کا پتہ ہے تو پھر کلمہ پڑھا دے' اب تک تو میں آشنا نہیں تھا۔ تو اللہ کو دیکھو کہ وہ نہ ماننے والے کی جان بچانے کا کیسے اہتمام فرماتا ہے۔ تو جس کو اس طرح کا مشاہدہ ہو وہ ''سبحان اللہ'' ضرور پڑھتا ہے۔ تو ''سبحان اللہ'' پڑھنے والا ایک عجب واقعہ ہوتا ہے۔ جس آدمی کی زندگی میں' روٹین کی زندگی میں ایک عام واقعہ ایک خاص انداز سے پیدا ہو جائے تو وہ سوچے گا کہ یہ کیا بات ہے۔ بچے کے منہ سے اگر دانائی کی بات نکل جائے تو آپ کہیں گے ''سبحان اللہ! بچے نے کیا بات کر دی ہے''۔ تو ''سبحان اللہ'' کا مقام وہ ہے جہاں یہ روٹین بات ایک خاص روشنی بن جائے۔ تو یہ خاص مقام ہے۔ پھر ایک مقام ہے ''الحمد للہ''۔ جب کبھی آپ کی زندگی ابتلا سے گزرے' خوشی سے گزرے' نفع ہو' نقصان ہو' تو یہ زندگی گزارنے کا ایک انداز ہے کہ جب وہ آدمی ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ آپ اپنی زندگی کو بنائیں' ترقی میں

لے آئیں لیکن یہ یاد رہے کہ آپ کی آج کی اپنی زندگی جو ترقی سے محروم ہے اسے بھی پسند کریں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں کل خوش ہو جاؤں گا وہ قیامت تک خوش نہیں ہوگا اور وہ جو آج اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے یہ ہمیشہ شکر ادا کرے گا۔

''الحمدللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام نعمتوں کی وجہ سے اللہ کا شکر ادا کرو جو تمہارے پاس ہیں' ہر وہ چیز جو اس نے عطا فرمائی اس پر شکر کرو۔ یہ سفر عارضی ہے' جتنے بھی سالوں کا ہے' اس کا شکر ادا کرو۔ مجبوری کے عالم میں شکر نہ ادا کرنا بلکہ یہ دریافت کر کے شکر کرنا کہ یہ اللہ کا احسان ہے۔ جب آپ اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھیں گے پھر اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ شیخ سعدیؒ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ جو پاؤں سے ننگا تھا وہ گلہ کرنے لگ گیا' آگے گیا تو ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے۔ تب اس نے شکر ادا کیا کہ یا رب العالمین شکر ہے پاؤں تو ہیں' جوتا نہ سہی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر جگہ شکر کے مواقع مل جائیں گے۔ شکر ایک انداز ہے' یہ گلے کی مخالفت میں ایک انداز ہے۔ گلہ بھی ایک انداز ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی عادت ہی گلہ کرنا ہوتا ہے اور وہ زندگی میں گلہ ہی کرتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جو زندگی میں شکر ہی ادا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ کی مہربانی ہے۔ وہ دل سے شکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کی مہربانی ہے' اللہ کا احسان ہے۔ تو پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کا جلوہ دیکھا تو ''سبحان اللہ'' کہا اور پھر شکر کے لیے ''الحمدللہ'' کہا۔ پھر ایک مقام یہ ہے کہ زندگی میں آپ یہ جو شکر ادا کر رہے ہیں یہ نعمتیں آپ نے دنیا سے لی ہیں یا مالک نے دی ہیں۔

عام طور پر یہاں کنفیوژن پیدا ہوتا ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے اپنی قوت بازو سے بنائی ہیں۔ اگر اس کو یقین ہو جائے کہ یہ چیزیں اللہ

تعالیٰ کی طرف سے عطا ہیں، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے اور اس کائنات میں تمام کاریگروں کے ساتھ ایک ایسی کاریگری لگی ہوئی ہے جو مالک کا اَمر کہلاتی ہے تو پھر آپ کی زبان سے ''اللہ اکبر'' نکلے گا۔ جہاں انسان کی کاریگری فیل ہو جاتی ہے اس سے آگے مالک کی Domain شروع ہوتی ہے یعنی جہاں پہ آپ کا عمل بے بسی میں آ جاتا ہے بس وہیں سے بات شروع ہوتی ہے۔ تو ان تین مقامات سے تعارف ہو جائے تو پھر آپ تسبیح کائنات میں شامل ہو سکتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تسبیح کے الفاظ یہ ہیں " یاعزیز یا حکیم " یا یہ کہ ''یا عزیز الحکیم''۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر...... گویا کہ ''سبحان اللہ'' کا مقام یہ ہے کہ عام زندگی میں خاص معانی پیدا ہو جائیں، ''الحمدللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ زندگی کے اندر تمام واقعات پر اللہ کا شکر کریں کہ اللہ آپ کے ساتھ ساتھ ہے اور حفاظت کر رہا ہے۔ شکر کرو کہ جس اللہ نے چمگادڑیں بنائی ہیں اس نے تمہیں انسان بنایا ہے، جانور بنانے والے اللہ نے آپ کو انسان بنایا ہے۔ یہ اس کا بڑا شکر ہے کہ اس نے آپ کو انسان بنایا اور شکر اس بات کا ہے کہ انسانوں میں ہمیں ہمارے تقاضے کے بغیر مسلمان بنایا اور اپنے محبوب ﷺ کی اُمت سے ہمیں پیدا فرمایا۔ تو یہ آپ پر پیدائشی انعام ہے۔ ابھی آپ نے کوئی کام نہیں کیا تھا مگر آپ پہلے ہی انعام یافتہ ہیں۔ شکر اس بات کا بھی کہ آپ کی آنکھیں ابھی نظارہ دیکھ سکتی ہیں۔ شکر اس بات کا بھی کہ آپ کے گردوپیش میں جو لوگ رہنے والے ہیں وہ آپ کو اچھے لگتے ہیں۔ شکر اس بات کا کہ آپ کے ساتھ زندگی میں آسودگیاں ہیں اور آسانیاں ہیں۔ اپنے سے کم زندگی کو دیکھو گے تو پھر شکر ہی شکر ہے۔ شکر ایک مزاج کا نام ہے۔ اگر

آپ میں وہ مزاج پیدا ہو جائے تو آپ شکر ہی شکر ادا کریں گے۔ کہتے یہ ہیں کہ شکر والا عام طور پر اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ تم شکر کرو تو میں اس میں اضافہ کرتا جاؤں گا۔ شکر کرنے سے پہلے تو نعمت محفوظ ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ نعمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو نعمت کو محفوظ کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ شکر ادا کیا جائے۔ تو آپ نعمتوں کو محفوظ کر لیں' Preserve کر لیں۔ شکر ایک Preserver ہے اور گلہ جو ہے یہ Destroyer ہے' گلہ آپ کی زندگی کو تباہ کرنے والا ہے۔ شکر کیا ہے؟ زندگی کو قائم رکھنے والا ہے۔ تو اپنی زندگی کو قائم رکھو' اللہ کے احسانات گنتے جاؤ:

اتنے احسان کہ گنواؤں تو گنوا بھی نہ سکوں

آپ ڈھونڈتے چلے جائیں۔ ہر وہ چیز جو آپ کو زندگی میں اچھی لگتی ہے' دینے والا اللہ ہے۔ تو اصل راز کیا ہے؟ جس نے اپنی زندگی کو اچھا کہا اُسی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اپنے آپ کو Dislike کرنا چھوڑ دو' ناپسند کرنا چھوڑ دو' مغرور بھی نہ ہونا' اپنی پوجا بھی نہ کرنا لیکن اپنے آپ کو ناپسند کرنا چھوڑ دو۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ کا اپنا حق کہاں تک ہے؟ وہاں تک جہاں تک آپ کی وابستگی ہے۔ یہ دیکھو کہ آپ اپنے آپ کو کتنا ناپسند کرتے ہو۔ جن لوگوں کے ساتھ آپ کی وابستگی ہے چاہے وہ رشتہ دار ہوں' دوست ہوں' واقف ہوں یا آشنا ہوں' ان میں آپ کو کتنے لوگ ناپسند ہیں؟ تو آپ اتنے ہی اپنے آپ کو ناپسند کر رہے ہیں' کیوں کہ آپ کا اپنا آپ' آپ کی آشنائی ہے' آپ کی وابستگی ہے۔ مثلاً رشتے داری وابستگی ہے تو اس میں جتنی آپ کو ناپسندیدگی ہے اُتنے ہی آپ اندر سے ختم ہو چکے ہیں۔ اگر آپ کو اپنا آپ مکمل پسند ہے تو پھر اللہ کا شکر ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ

ہمارے ملنے والوں میں میری نگاہ میں کوئی آدمی مجھے برا نہیں لگتا' جب آپ یہ کہہ دیں گے تو سمجھیں کہ آپ نے شکر ادا کیا۔ گویا کہ گلہ نکالنے سے ہی زندگی آباد ہونا شروع ہوتی ہے۔ تو آپ گلہ نکال دیں۔ اگر اللہ پیسہ دے تو مبارک ہے اور پیسہ نہ دے تب بھی مبارک ہے۔ کیا اللہ کے پیغمبر غریب نہیں تھے؟ کیا اللہ کے پاس رہنے والے اللہ کے قرب کے باوجود غریب نہیں ہوئے؟ کیا انہیں فاقہ نہیں ہوا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ واقرض اللہ قرضا حسنا اللہ تعالیٰ کو قرضہ دیں اور وہ بھی بغیر Interest کے' بغیر سود کے۔ مگر اللہ کو قرض کی کیا ضرورت ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کی زندگی کی Range آپ کی وابستگی کے دائرہ تک ہے۔ اپنی زندگی سے اپنی ناپسندیدگی کو نکال لیا جائے تو پھر شکر پیدا ہوتا ہے اور شکر پیدا ہو جائے تو انسان اللہ کے قریب ہو سکتا ہے تو اس کی نعمتوں کا شکر کرنا اللہ کے قریب ہونے کا ایک طریقہ ہے۔ نعمت کیا ہے؟ آپ کی وابستگی' آپ کا دائرہ، جہاں تک آپ پھیلے ہوئے ہیں۔ تو آپ زندگی سے گلہ نکال دیں' تقاضہ نکال دیں اور شکایت نکال دیں۔ اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ وہ علیمٌ حکیم ہے۔ تو وہ بہتر جاننے والا ہے اور سب اس کے حوالے کر دو۔ آپ یہ دیکھیں کہ اگر انسان کو بااختیار بنا کر چھوڑ دیا جائے تو آپ کی زندگی کا پھیلاؤ آپ کے بااختیار ہونے کے بعد دوسروں پر حاوی ہونا شروع ہو جائے گا' آپ خود پھیلیں گے اور ان کو لپیٹیں گے۔ آپ کو کوئی ایسا بااختیار نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ فلاں تاریخ کو میری موت کا نام لکھا جائے بلکہ جو بااختیار ہے وہ کوشش کرے گا کہ موت سے نکل جائے۔ اور اگر ہر آدمی کو بااختیار کر دیا جائے تو ساری اموات ختم ہو جائیں گی

اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ہنگامہ بپا ہو جائے گا اور ایک قیامت آ جائے گی۔ تو وہ بااختیار آدمی آئے جو یہ زندگی بھی اپنی لکھے اور اپنے ہاتھ سے اپنی موت خوش ہو کے لکھے۔ کیوں کہ آپ یہ کبھی بھی نہیں لکھ سکتے اس لیے آپ ہر مرنے والے کے پاس کھڑے ہو کے روتے ہیں کہ یا اللہ اس کی زندگی طویل کر دے۔ کتنی؟ دس سال بڑھا دے۔ دس سال کے بعد کیا ہوگا؟ پھر مرنا پڑے گا۔ یہ تو کوئی نہیں مانتا۔ دس سال کے بعد پھر آپ کا یہی سوال ہوگا۔ پھر آپ کے بارے میں بات ہوگی کہ آپ رہتے ہیں کہ نہیں رہتے۔ کوئی آدمی جانے والے کو خوشی سے نہیں بھیجتا بلکہ بھیج سکتا ہی نہیں ہے۔ یہ ایک خاص راز ہے۔ اس وقت تک آپ کی طویل زندگی بنانے کی خواہش جاری رہے گی جب تک یہ زندگی Meaningless ہے، بے معنی ہے۔ اگر زندگی بامعانی ہو جائے تو آپ اللہ سے کہیں گے کہ پہلے میرا مقصد پورا کر، پھر چاہے جان لے لے۔ جب زندگی Meaningful ہوگئی، بامعانی ہوگئی تو پھر زندگی مقصد کے حصول کے تقاضے میں رہتی ہے اور انسان کہتا ہے میری زندگی اس وقت تک قائم رکھ جب تک میرا وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس کے بعد بے شک جان لے لو۔ آپ چونکہ بے معنی زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے آپ طویل زندگی چاہتے ہیں، پڑے رہتے ہیں جیسے کوئی چیز پڑی رہتی ہے، پھر انسان کرکٹ کے میدان میں کھلاڑی کی طرح رن بناتا جاتا ہے، ایک سنچری بنالی تو کہتا ہے اب ایک اور سنچری بنالوں۔ پھر کیا ہوگا؟ یا خود آؤٹ ہو جائے گا یا اس کا وقت آؤٹ ہو جائے گا۔ تو لوگ اپنے آپ میں Meaningless اضافہ کرتے رہتے ہیں، کیا کیا حاصل کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہر شے محرومی میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اللہ کے

حوالے کر دینے والا جو ہے وہ راز پا جاتا ہے۔ راز یہ ہے کہ زندگی خوشی سے گزرے اور اس وقت بھی خوشی ہو جب زندگی ہاتھ سے نکل جائے۔ بہت کم لوگ اس بات کو جانتے ہیں۔ تو یہ بات بھی جاننی چاہیے کہ زندگی کے اندر آپ نے کیا کرنا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کو موت کا ڈر نہیں ہوتا جن کو زندگی میں مقاصد ملتے ہیں، عزم ملتا ہے، ارادہ ملتا ہے، ایک نصب العین ملتا ہے، انہیں موت کا ڈر نہیں ہوتا، وہ ہر مرحلے سے گزر جاتے ہیں۔ موت کا ڈر اسے ہوتا ہے جسے Love of life اور Meaningless Stay ہے یعنی جسے زندگی سے محبت ہے اور بے مقصد قیام ہے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں ابھی تو ہم نے زندگی شروع ہی نہیں کی، ابھی تو ارادہ ہی کر رہے ہیں۔ حالانکہ پھر وقت گزر جاتا ہے، واقعہ ہی گزر گیا اور مدت ہی گزر گئی۔ ابھی تک لوگوں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا۔ کچھ کہتے ہیں اسلام کے لیے بنایا تھا اور کچھ کہتے ہیں روٹی کے لیے بنایا تھا، ہندوؤں کے ظلم کی وجہ سے بنایا تھا بلکہ وہ تو قائداعظم نے بنا دیا تھا۔ اگر بنایا تھا تو اب سارے لوگ جو موجود ہیں اسے مل کے چلا لیں۔ ماضی کو جا کے نہ کریدو کہ کیا ہوا تھا اور کیا نہیں ہوا تھا۔ اب جو زندہ لوگ ہیں وہ کام کر لیں۔ مگر یہ نہیں کرتے کیوں کہ اب اتحاد نہیں ہے۔ اگر قوم میں وحدت ہو جائے تو ایک نیا قائداعظم بن سکتا ہے، ایک نیا اقبال خواب دیکھ سکتا ہے اور نئے عزائم پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیا قومیں ماضی دیکھ کے چلتی ہیں، آپ تو حال میں ہیں اور مستقبل میں جانا ہے، تو آپ ہوش سے چلیں۔ آج کے مطابق چلو، جیسا چیلنج ہے ویسا Fight کرو۔ اس لیے اگر ماضی میں جانا ہے تو پھر ایک بات سمجھ لو، کہ ایک انسان، ایک واحد انسان، ایک فردِ واحد نے ساٹھ سال میں سے بیس سال سونا ہے، روزانہ آٹھ گھنٹے سونا

ہے۔ اس کی زندگی کا سرمایہ تو دیکھو' ڈائننگ ٹیبل پر چار سال گزر جاتے ہیں' نہانے دھونے میں دو سال گزر جائیں گے' آدھی سے زیادہ زندگی آپ بیچ چکے ہوتے ہیں یعنی نوکری کاروبار وغیرہ میں۔ روز کے آٹھ گھنٹے بکے ہوئے ہیں۔ پھر بیماری بھی آئے گی۔ بچپن کا زمانہ ویسے ہی بیکار گزر جاتا ہے۔ بڑھاپے کے زمانے بے ہوش ہو کے گزر جاتے ہیں۔ گنتی کے زیادہ سے زیادہ تین سال ملتے ہیں۔ اب میں آپ سے جو سوال کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ ایک انسان' ایک مسلمان' اللہ کا غلام ہے' اللہ کے حبیب پاک ﷺ کا بھی غلام ہے یہ ہمارے دو آقا ہیں اور چونکہ ان کو ہم ایک ہی سمجھتے ہیں اس لیے یہ ایک آقا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ غلامی ہے کہ آپ نے قرآن کو Obey کرنا ہے۔ عربی آپ جانتے نہیں۔ سال کل تین ہیں۔ انگلش میڈیم میں بھی پڑھنا تھا' یا ایچی سن کالج یا پھر اسلامیہ سکول بھاٹی گیٹ جاؤ' وہاں یہ موقع نہیں ملتا کہ تفہیمِ قرآن سکھائی جائے۔ اب آپ نے قرآن کا علم سیکھنا ہے۔ اللہ کو' Living God کو ماننا ہے اور Writer of the Book یعنی Author کتاب کا مصنف بھی اللہ کو ماننا ہے' ہے وہ ایک ہی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ جس نے اپنی یہ سچی اور برحق کتاب عنائت فرمائی اس کے علاوہ بھی اگر کوئی بات کر رہا ہو تو وہ بھی اللہ کرے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ یہ ممکن ہے۔ اس کتاب میں جو کچھ فرمایا وہ اللہ نے فرمایا ہے اور کیا اس کے علاوہ بھی اللہ نے کچھ کیا ہوا ہے؟ ضرور ہے۔ سورج پیدا فرمایا ہے' رات پیدا فرمائی ہوئی ہے' زندگی پیدا فرمائی ہوئی ہے' آنسو پیدا فرمائے ہوئے' جنازے پیدا فرمائے ہوئے اور پھر یہ زندگی آپ کے لیے ایک الگ Dictation ہے۔ اب اللہ کا یہ حکم بھی آپ نے ماننا ہے۔ کون سا؟ زندگی کا۔

وہ اس طرح کہ آپ زندہ بیٹھے ہوئے ہیں اور بیٹھے ہوئے اللہ کا ایک حکم آ گیا کہ بھوک لگ گئی۔ اب یہ بھوک مالک کا حکم ہے اور اس کے لیے کھانا پکانے کی ضرورت پڑ گئی، بیج بونے کی، فصل کاٹنے کی، گندم لا اور اُسے پسا۔ یہ سارے حکم کس کے ہیں؟ اللہ کے۔ شادی کا حکم کس کا ہے؟ اللہ کا۔ جنازے کا حکم بھی اللہ کا ہے۔ سماج کی زندگی بھی اللہ کا حکم ہے۔ تو اللہ قرآن میں بھی ہے اور اللہ کائنات میں بھی ہے، اللہ آپ کا خالق بھی ہے۔ پھر اللہ کی طرف سے کوئی چیلنج بھی آ جاتا ہے مثلاً اچانک زلزلہ آ جاتا ہے اور آپ کہتے ہیں بھاگو۔ دریا میں سیلاب آ گیا۔ یہ کس کا حکم آ گیا؟ اللہ کا۔ سیلاب کوئی اور تو نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ منگلا ڈیم کو سلامت رکھے لیکن اگر پانی آ گیا تو آپ کیا کریں گے۔ اس کے علاوہ صحت، بیماری، سماج، حالاتِ حاضرہ وغیرہ، بھی اللہ کا حکم ہیں۔ طوفان بھی آ سکتا ہے۔ تو ہم یہ سب اللہ کی طرف سے مانتے ہیں کیوں کہ ہم اللہ کے غلام ہیں اور نبی ﷺ کے بھی غلام ہیں۔ روزی کمانے والا فیکٹری کے مالک کو بھی ماننا ہے یا حکومت کے سربراہ کو بھی ماننا ہے۔ افسر نے آپ پر حکم چلا دیا کہ اس وقت دفتر آیا کرو اور مہینے کے بعد چیکے سے پیسے لے جاؤ۔ مہینے کے اندر ہی وہ پیسے آپ سے مہنگائی کے ذریعے وصول ہو جاتے ہیں۔ تو یہ حکم بھی اللہ کی طرف سے ماننا ہے۔ اس طرح آپ حالاتِ زمانہ کو Fight کریں گے، جیسا ہوگا کر لیں گے۔ پھر آپ کی زندگی میں ڈاکٹر ایک Impulse کی شکل میں آ جاتا ہے، آپ کے بیمار ہونے کی دیر ہے کہ اس کے گھر میں عید آ گئی۔ تو ایک تو آپ بیمار ہو گئے اور پھر غریب ہو گئے۔ بیماری کا یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ غریبی پیدا کرتی ہے اور ڈاکٹر کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کی جیب بھرتی ہے، ڈاکٹر کی نظر مریض کی بیماری پر نہیں بلکہ مریض

کی جیب پر ہوتی ہے......

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ ہم اللہ کے غلام ہیں' اللہ کے حبیب پاک ﷺ کے غلام' آپؐ جو فرمائیں وہ ہم مانتے ہیں' اللہ کا قرآن جو فرمائے ہم ماننے والے ہیں' پھر جو صحابہ کرامؓ نے فرمایا وہ بھی ہم نے ماننا ہے۔ پھر فقہ کے آئمہ کرامؒ کا حکم ہے' چاروں اماموں نے الگ الگ حکم نامہ جاری کر دیا' وہ ماننا بھی ضروری ہے۔ پھر آپ سے کہا جا سکتا ہے کہ امام غزالیؒ کو بھی مانو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ہم تو امام غزالیؒ کو ماننے پر مجبور مگر امام غزالیؒ نے کون سے امام غزالی کو پڑھا تھا جس کو انہوں نے مانا' کیا اِن سے پہلے کوئی امام غزالی تھے؟ تو وہ شخص کہہ سکتا ہے کہ بغیر پڑھے بھی اگر امام غزالی ہو سکتا ہے تو مجھے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے' وہ چاہے گا تو بات خود ہی ہو جائے گی۔ کیا کسی پھول نے پھول بننے سے پہلے کسی پھول کو پڑھا؟ کیا گلاب کو چاہیے کہ وہ پہلے پرانے گلابوں کو دیکھے اور پھر خوشبو کا تقاضہ کرے؟ مگر اس میں تو پیدائشی خوشبو ہے۔ اگر کوئی پیدائشی امام ہے تو ٹھیک ورنہ تم لوگ تو پڑھ پڑھ کے تھک گئے۔ یہ دیکھو کہ ہم سارے داتا صاحبؒ کو عقیدت سے ماننے والے ہیں' داتا صاحبؒ یہاں پر کسی مزار پر نہیں آئے Data Sahib did not come to a grave بلکہ وہ کسی کام کے لیے آئے تھے۔ ''کام'' کا نام داتا ہے اور آپ نے صرف Visit کا نام داتا رکھا ہوا ہے' آپ وہاں گئے' پھر گئے مگر کام کا نہیں پوچھتے' ڈیوٹی کا نہیں پوچھتے بلکہ صرف آتے جاتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ یہاں پر ایک دفعہ تشریف لائے اور اجمیر شریف میں جا کے جھنڈا لگا دیا' اور آپ لوگ صرف آتے جاتے رہتے ہیں' نہ داتا صاحبؒ کی بات مانتے ہیں اور نہ خواجہ صاحبؒ کی۔ ''کشف المحجوب''

ہمارے لیے بڑی محترم کتاب ہے اسی طرح ''کیمیائے سعادت'' ہے اور ''نہج البلاغت'' ہے اسی طرح تمام کتابیں ہم مانتے ہیں۔ پھر آپ کو بتایا جائے کہ قائداعظمؒ نے یہ فرمایا ہے۔ یہاں ایک راز پیدا ہو گیا کہ اگر قائداعظمؒ کا اسلامی انداز ہے تو پچھلے انداز سے الگ ہے یا تو اسے اجتہاد مان لو کہ اسلام کتنا؟ جتنا قائداعظمؒ کے پاس تھا۔ اس سے زیادہ نہیں چاہیے۔ تو اگر یہ قوم کے لیڈر ہیں جیسا کہ وہ بابائے قوم ہیں تو پھر جتنا اسلام ان کے پاس تھا ہمیں صداقت کے لیے اتنا ہی اسلام چاہیے۔ اگر اس کے علاوہ اسلام تھا تو پھر یہ جو سب کچھ ہوا ہے یہ اسلامی نہ ہوگا۔ پھر اقبالؒ کی بات آئے گی کہ وہ کیا فرما رہے ہیں۔ اقبالؒ کی خوبی یہ ہے کہ اگر دو مخالف جلسے ہوں تو دونوں کے پاس اقبالؒ کا شعر لکھا ہوا ہوگا۔ ایک پارٹی نے لکھا ہوگا:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اور یہ کہ:

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو

اور دوسری طرف لکھا ہوگا کہ:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اِدھر والے کہتے ہیں جاگیروں کو اڑا کے رکھ دو اور اُدھر والے کہتے ہیں ''یارسولؐ اللہ''۔ اقبالؒ دونوں طرف کھیل رہا ہے اور اُسے ماننا سب کی ضرورت

ہے۔ پھر سربراہِ حکومت کا حکم جاری ہونے والا ہے' نیا آرڈیننس آنے والا ہے۔ اس آرڈی نینس سے جو طاقت میں آئے گا آپ کو اس کا حکم بھی ماننا پڑے گا۔ تو آپ وہ غلام ہیں جن کے آقا متضاد ہیں اور بے شمار ہیں اور خدا کا شکر ادا کرو کہ آپ پھر بھی زندہ ہیں۔ کسی ایک کی اطاعت نہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دو کی اطاعت شروع کر دیں۔ تو کسی طاقت کی اطاعت نہ کرنی ہو تو دو طاقتوں کی اطاعت شروع کر دو یعنی دو مخالف طاقتوں کی۔ جس آدمی کے بے شمار آقا ہوں اور آپس میں مختلف ہوں تو وہ آدمی کسی کی اطاعت نہیں کرتا' آسودہ رہتا اور خوش رہتا ہے۔ تو آپ پر تسلیمات کے اتنے پریشر ہیں کہ زندگی گزری چلی جا رہی ہے اور ہر دھوکا دینے والا سچے افکار کو پیش کر کے دھوکا دیتا چلا جا رہا ہے۔ جس زمانے میں قائدین کی بہتات ہو اس زمانے میں قیادت کا فقدان ہوتا ہے۔ جس زمانے میں بہت سارے لیڈر پیدا ہو جائیں تو سمجھو کہ لیڈر پیدا نہیں ہوا۔ لیڈر کی تعریف یہ ہے کہ وہ باقی لیڈری کے چراغ بجھا دے۔ اس لیے آج کل کوئی لیڈر نہیں۔ پیر کی تعریف یہ ہے کہ وہ باقی پیر خانے خاموش کرا دے۔ سارے جھنڈے الگ ہیں اور سارے زندہ ہیں اور مریدوں کی خوبی دیکھو کہ اُدھر بھی جاتے ہیں اور ادھر بھی جاتے ہیں' ہر جلسے میں جاتے ہیں' مردہ باد بھی کہتے ہیں اور زندہ باد بھی کہتے ہیں۔ عجیب منافقت ہے۔ تو آپ کی وابستگی جب اتنی منتشر ہے تو آپ کا ایمان کیسے قائم رہے گا۔ اس لیے آپ یہ بات یاد رکھیں کہ:۔

چھُڑا کے دامن بتوں سے اپنا
غبارِ راہِ حجاز ہو جا

تو چھوڑ دو ہر چیز کو' درود شریف میں لگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔ زندگی پہلے ہی مختصر سی ہے' وقت گزرا چلا جا رہا ہے۔ ایک ذات کو راضی کر لو' پھر اللہ بھی راضی اور آپ بھی راضی۔ آپ درود شریف پڑھتے جاؤ' عبادت کرتے جاؤ' اس طرح آسان زندگی گزارتے جاؤ' اللہ کی اطاعت کرتے جاؤ' اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کرتے جاؤ۔ جس نے یہ کہہ دیا وہ تو دلیر ہو گیا۔ آپ یہ کیوں نہیں کہہ سکتے۔ کاش آپ کہہ سکتے۔ حال میں رہنا ہے تو کسی ایک جگہ پر ٹک جاؤ اور ماضی میں جانا ہے تو راستے میں سب کو ادب سے سلام کرتے ہوئے حضور پاک ﷺ کے پاس پہنچ جاؤ۔ راستے کے پڑاؤ سلام کے لیے ہوتے ہیں۔ تو آج کل کے انسان پر احترام کا بہت زیادہ پریشر ہے اور اس طرح وہ پریشان ہو جاتا ہے اور زندگی گزری چلی جا رہی ہے' انسان نیند کی آغوش میں ہے' کھانے پینے میں ہے اور پھر موت کی آغوش ہو گی۔ تو آپ اللہ کو مانو' اللہ کے نبی ﷺ کو مانو' قرآن کریم سچی کتاب ہے' اس کو آپ پڑھ لیں' وقت ملے تو عربی سے اردو ترجمہ پڑھو' افہام تفہیم میں نہ پڑنا' تفسیر کی ضرورت کوئی نہیں ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت قرآن پاک کی ہے یا سورت ہے تو قرآن پاک تو ہر زمانے کے لیے حکم ہے اور یہ حکم ہر حال میں علیٰ کل امر نافذ ہے۔ جب تفسیر میں آپ نے یہ لکھا کہ اس کی شانِ نزول یہ ہے تو یہ تو ایک واقعہ ہے۔ جو سورۃ شان نزول کے واقعہ سے متاثر ہو کے نازل فرمائی جائے وہ بات آپ لوگوں کو کیسے سمجھ آئے گی جب تک وہ واقعہ آپ کے پاس نہ ہو۔ اس لیے اس لحاظ سے شان نزول بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جس میں شان نزول ہر وقت یہ آپ ہی ہے۔ آپ اسے اپنے حالات میں پڑھیں' اپنے حساب سے پڑھیں'

پھر آپ کو اس سے Guidance ' ہدایت ملے گی۔ Guidance کی بڑی آسان بات ہے کہ یہ کتاب آپ کو ہدایت دیتی ہے بشرطیکہ آپ متقی ہو جائیں۔ متقی ہونے میں آپ کو کچھ دیر لگ سکتی ہے اور پھر Guidance مل جائے گی۔ متقی ہونے کے بغیر آپ کو کچھ دیر لگ سکتی ہے اور پھر Guidance مل جائے گی۔ متقی ہونے کے بغیر اگر قرآن پڑھو گے تو عین ممکن ہے کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا تو عین ممکن ہے اس میں سے ہدایت ملے اور عین ممکن ہے کہ اس میں سے گمراہ ہو جاؤ۔ تو متقی ہوئے بغیر ہدایت کیسے لو گے۔ متقی کے متعلق اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ یومنون بالغیب یعنی کہ اللہ کو ماننا ہے' جاننا نہیں ہے اور دیکھنا نہیں ہے۔ اور یقیمون الصلوٰۃ نماز قائم کرنا اس طرح سے کہ حالتِ نماز اور حالتِ زندگی برابر ہو جائے۔ تو اس طرح نماز قائم ہوگئی۔ کب قائم ہوگئی؟ جب آپ کی مسجد کے اندر کی زندگی اور باہر کی زندگی برابر ہوگئی۔ جب آپ اللہ کے سامنے ہوتے ہو تو بڑے مسکین بن کے بیٹھے ہوتے ہو اور جب باہر ہوتے ہو تو بڑے ظالم ہوتے ہو۔ اور یہ کہ ومما رزقنھم ینفقون یعنی اللہ نے جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اول تو گمراہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ مانتے ہی نہیں کہ اللہ نے دیا ہے بلکہ محنت سے کمایا ہے' اس میں اللہ نے کیا کیا ہے۔ جب تو نے محنت سے کمایا ہے تو محنت کرنے کی طاقت کس نے دی ہے؟ اللہ نے دی ہے۔ تو وہ مال خرچ کرو۔ کہاں خرچ کرنا ہے؟ جس کے پاس نہیں ہے اس کو دو۔ اگر آپ کے پاس آنکھوں کی بینائی ہے تو نابینا کے کام آنی چاہیے' ذہن ہے تو کسی پاگل کے کام آنا چاہیے اور علم ہے تو جاہلوں کے کام آنا چاہیے۔ تو جو صفت آپ کے پاس ہے وہ اس کے کام آئے جس کے پاس وہ صفت نہیں ہے لیکن آپ تو اسی کو

ڈراتے ہیں جس کے پاس وہ صفت نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس مرتبہ ہے' بادشاہت ہے تو یہ کس کے کام آنا چاہیے؟ جو غریب ہیں' غلام ہیں۔ تم لوگ سرکار دو عالمؐ کی ذات کا جانتے ہو کہ وہ اللہ کے کتنے قریب ہیں' اور آپؐ اُمت کے لیے کتنے محترم ہیں' آپؐ کے لیے ہر انسان کے ذہن میں کتنا ادب ہے اور آپؐ ان تمام کے لیے بادشاہ ہیں' سلطان السلاطین ہیں لیکن آپؐ نے اپنی زندگی اپنے ماننے والوں کی زندگی سے بلند نہیں رکھی۔ اگر اللہ کی راہ میں دینے کا وقت آیا تو آپ کی جیب سے زیادہ کبھی نہیں نکلا' نکلا ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سربراہ وہ ہے جو اپنے غریبوں سے غریب زندگی بسر کرے۔ تو زندگی یہ ہے۔ جب آپؐ نے معراج شریف پر جانا تھا تو لباس میں Patch' پیوند لگا رہے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ ہیں کائنات کے مالک :

وہ بانیِ دینِ مبین بھی ہے حٰمٓ بھی ہے یٰسٓ بھی ہے
مسکینوں میں مسکین بھی ہے' سلطانِ زمانہ شاہوں میں

آپؐ بادشاہوں میں سلطانِ زمانہ ہیں مگر مسکینوں میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔ تو یہ جو واقعہ ہے اس میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ لیڈرشپ کیا ہوتی ہے۔ تو لیڈرشپ یوں ہوتی ہے۔ تو متقی کی پہچان بتائی جا رہی تھی کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اس میں سے خرچ کرتے ہیں جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اور اس کو مانتے ہیں جو آپؐ پر نازل ہوا اور جو اس سے پہلے نازل ہوا...... تو ان کے لیے اللہ کی کتاب میں ہدایت ہے۔ جن کو ہدایت نہیں ملی ان کا یہ کام ٹھیک نہیں تھا۔ تو جن کو ہدایت چاہیے وہ یہ باتیں ٹھیک کر لیں۔ تو آپ اپنے آپ کو متقی کی تعریف

میں شامل کر لیں تو ہدایت مل جائے گی اور بات سمجھ آ جائے گی۔ تو زندگی مختصر ہے' آپ اللہ کا حکم مانتے جائیں' عبادت کر لیں' اپنی زندگی کا جائزہ لیا کریں' زندگی سے گلہ نکال دیں' شکوہ نکال دیں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ شکر کی بات یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی اور آدمی جیسا نہیں ہے۔ یہ بڑے شکر کی بات ہے۔ جب آپ اپنی زندگی کو دوسرے کے مقابلے پہ لاتے ہیں کہ میرے پاس بھی آسودگی ہونی چاہیے' مجھے بھی اس جیسا امیر ہونا چاہیے تو اگر اللہ کسی کو خوب صورت چہرہ دے دے تو آپ وہ کہاں سے لائیں گے۔ تو آپ مقابلہ نہ کرنا۔ مقابلہ اس لیے نہ کرنا کہ زندگی کا نتیجہ آخر میں جا کے پتہ چلتا ہے اور آپ یہاں پر نتیجہ نہ نکالیں۔ یہاں پر فرعون بادشاہی کرتا ہے اور آخری نتیجہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بادشاہی ہے۔ اس لیے یہاں کے نتیجے اور ہیں اور وہاں کے نتیجے اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے دعا کرو کہ یا رب العالمین ہمیں وہ زندگی عطا فرما جس سے ہم بھی خوش ہوں اور تو بھی خوش ہو' یہ نہ ہو کہ تو خوش ہو اور ہم روتے چلے جائیں یا ہم خوش ہوں اور کل کو تو ناراض ہو' تو ہمیں خوش رکھ اور آپ خوش رہ۔ تو ہمیں اتنی ساری زندگی چاہیے۔ یا اللہ زندگی کا یہ میلہ دکھایا ہے تو خوشی سے دکھا اور خود بھی راضی رہنا' ہم سے ناراض نہ ہونا' ہم چاہتے ہیں کہ تو بھی راضی رہ اور ہم بھی راضی رہیں...... اگر آپ اس بات پہ غور کریں تو آپ کو ساری بات سمجھ آ جائے گی۔ اور یہ دعا کرو کہ یا رب العالمین ہمیں وہ دے جو تو دینا چاہتا ہے اور ہمیں مانگے بغیر دے اور جو تو نہیں دینا چاہتا اس کے مانگنے کی ہمیں توفیق ہی نہ دے۔ تو زندگی وہ جس میں اللہ راضی اور ہم بھی راضی۔ یا اللہ ایسی زندگی دے جس میں ہم زندہ ہو کے راضی رہیں اور چھوڑتے وقت بھی ہم راضی ہوں' مرتے وقت بھی راضی ہوں

اور تو بھی راضی رہے۔ جو تو نے عطا فرمایا ہے وہ مانگے بغیر دے اور جو نہیں عطا فرمانا اس کے مانگنے کی توفیق ہی نہ دے۔ تو آپ اللہ سے یہ بات مانگیں۔ یا اللہ ہمیں ایک مالک کا غلام بنانا۔ یہ دعا ہمیشہ مانگا کرو کہ یا اللہ ہمیں ایک مالک کا غلام بنانا۔ ہمارے ہاں مالک زیادہ ہو گئے ہیں اور غلام تھوڑے ہو گئے ہیں۔ یہ دعا بھی کیا کرو کہ یا رب العالمین ہمیں ایک راستے کا مسافر بنانا' ہمیں دو سفر نہ دینا' ایک راستہ' ایک سفر اور ایک زندگی دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دو راستے آ جائیں' ہمیں چوک سے بچانا' چوراہوں سے بچانا...... چوراہا یہ ہوتا ہے جب انسان سوچ میں پڑ جائے کہ میں وہاں جاؤں کہ نہ جاؤں' کیا کروں' ایسا بھی ٹھیک ہے اور ویسا بھی ٹھیک ہے' اِس کی بات مانوں یا اُس کی بات مانوں' To be اور Not to be کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے......

تو دعا یہ کرو کہ ایک راستے کا سفر ہو۔ ایسا شخص کہتا ہے کیوں کہ میرے پاس کوئی Alternative' متبادل نہیں تھا اس لیے میں کامیاب ہو گیا' اگر کوئی Alternative ہوتا تو میں شاید کوئی غلطی کرتا مگر میرے پاس ایک چوائس تھا' اس لیے غلطی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' میرے پاس کیوں کہ چوائس نہیں تھا اس لیے This was the only way میرے پاس صرف یہی راستہ تھا...... "The only way" is always the correct way تو صرف ایک راستہ ہی کامیاب راستہ ہوتا ہے اور When there are two ways اور جب دو راستے ہوں تو ایک راستہ غلط ہوگا' وہ راستہ The otherway round ہوگا۔

تو آپ خوش رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ یا اللہ تو راضی رہ اور ہماری غلطیوں کو Transgressions کو معاف کر' ہمیں راضی رہنے کی توفیق

عطا فرما، تو ہمارا بن اور ہمیں اپنا بنالیا کر، تو بہتر جانتا ہے، ہم تو نہیں بنا سکتے، تو ہی بہتر کرلیا کر۔

دعا کرو اللہ تعالیٰ سب کو اپنے فضل سے نوازے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ حبیبنا و شفیعنا و سیدنا و سندنا و مولنا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔
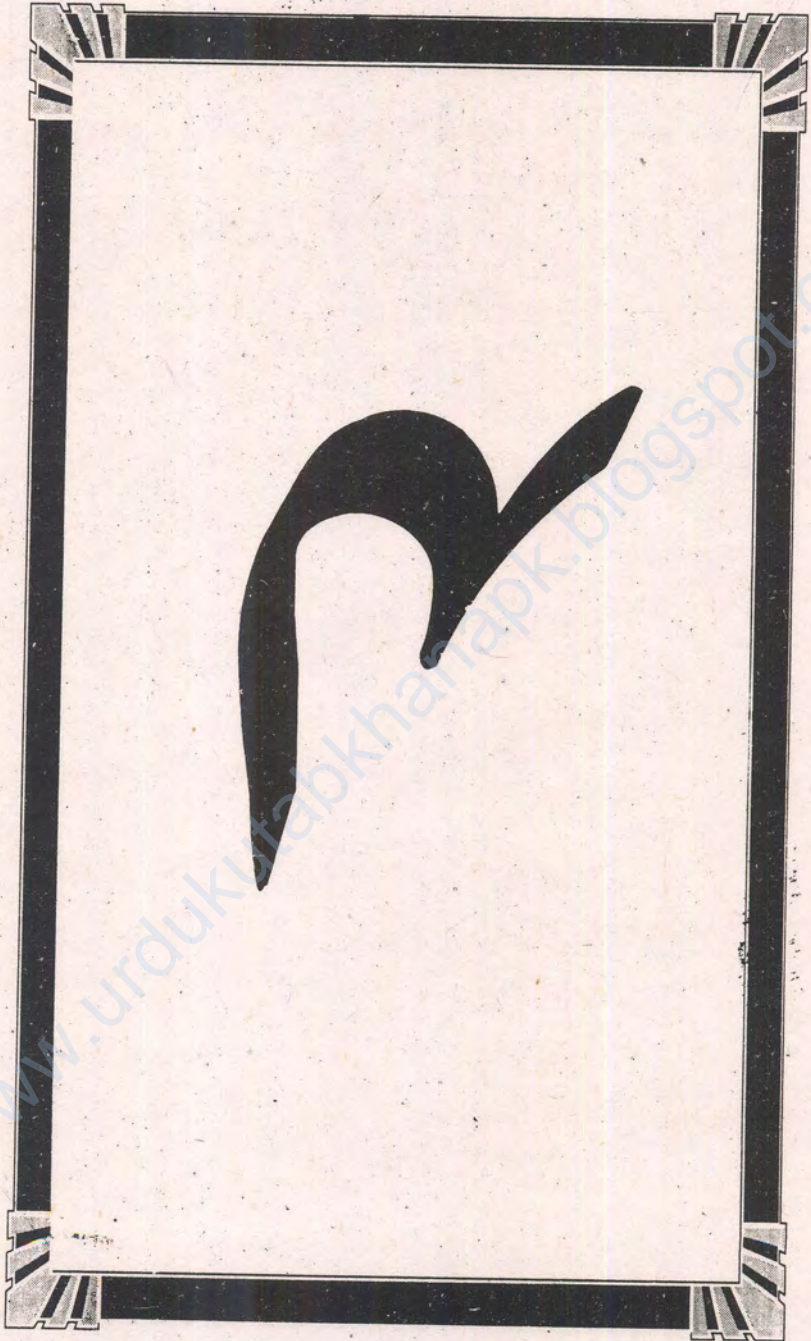
- عبادت کا مقصد تو انسان کو اچھا بنانا ہے اور اگر انسان اچھا بن جائے تو پھر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟
- یہ جو جذب کی حالت میں بزرگ ہوتے ہیں وہ تو عبادت نہیں کرتے تو پھر کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اصل بزرگ ہیں یا نہیں؟
- عبادت تو ظاہر ہو جاتی ہے، پھر اس کا کیا کریں؟
- کوئی ایسا آسان نسخہ بتائیں جس سے رات کا جاگنا آسان ہو جائے۔
- بیماری کے متعلق بھی کچھ فرما دیں۔

سوال:

عبادت کا مقصد تو انسان کو اچھا بنانا ہے اور اگر انسان اچھا بن جائے تو پھر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟

جواب:

یہ بات اصل میں بڑی مشکل بھی ہے اور آسان بھی ہے۔ پہلی بات جو غور والی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا زندہ انسانوں کی ہے۔ اجسام' اشیاء' اجرام فلکی اور دوسرے واقعات اور کیفیات سب انسانوں کے ساتھ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس گلوب پر زندہ انسانوں کا یہ جو سارا اجتماع ہے اگر اس کو ہم دنیا کہیں تو یہ جو ٹوٹل انسان ہیں' جتنے انسان ہیں' یہ دنیا یا انسانوں کا اجتماع' بنی نوع انسان' جس نے اِن کو تخلیق فرمایا ہے اُس کا نام صفت کے حوالے سے ''خالق'' ہے اور ذات کے حوالے سے ''اللہ'' ہے۔ تو اس کی صفت' تخلیق ہے اور نام یعنی اسم موصوف خالق ہے۔ تو وہ جو خالق ہے اُس کا ذاتی نام ہے ''اللہ''۔ اگر اس زندگی میں آپ ایک چابی والا کھلونا بنا کر چھوڑ دیں تو جیسے آپ نے اُس کو Detail کیا ہے تو وہ چابی کی موجودگی تک ویسی حرکت کرے گا' اُس کے بعد اس کی تمام حرکات و سکنات بند ہو جائیں گی اور وہ خاموش ہو جائے گا۔ آپ یوں سمجھیں کہ انسانوں

کو تخلیق فرمانے والے نے ایک خاص Mechanism اور ایک خاص Mechanical process' شکل میں اس کو تخلیق فرمایا کہ یہ جو ہر انسان کا ہے اور اتنا عرصہ تک یہ Stay کرے گا' اس کی فلاں Activities حرکات ہوں گی جو وہ کرے گا اور ان Activities کے بعد جو ہے یہ از خود خاموش ہو جائے گا کیونکہ اس کے اندر In itself خاموش ہونے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی اور Element' عنصر اسے خاموش نہیں کرائے گا۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ باہر سے کوئی چیز آجائے اور گلا دبا دے لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ اگر انسان غار میں بھی بیٹھا رہے' تنہائی میں رہے' کوئی کام نہ کرے' چپکے سے بیٹھا رہے' کھانے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہو پھر بھی کچھ وقت کے بعد After a certain time اس کے اندر Consume ہو جانے کا' ختم ہو جانے کا ایک مکمل Process موجود ہے اور وہ وہیں ختم ہو جائے گا۔ یہ بنانے والے نے اپنی قدرتِ کاملہ سے چیز بنائی ہے۔

اس انسان کو انسانوں کی ضرورت ہوگی' میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ کیوں ضرورت ہوگی؟ اب یہ بات دہرانے والی ہوگئی ہے اس لیے اس کو دہرالو تا کہ یاد آجائے۔ انسان کو انسان کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے لیکن انسان کو انسان کی ضرورت ہے۔ جب ایک انسان' تنہا انسان' اکیلا انسان' اپنی تنہائی' اپنے اکیلے پن' اپنی ذات' اپنے وجود اور اپنی اکائی پر غور کرتا ہے تو اُس کو دوسرے انسانوں کی طلب اور محتاجی کا احساس ہوتا ہے۔ کیا یہ بات آپ کو سمجھ آرہی ہے؟ کہ وہ اکیلا کافی ہے' تنہائی میں مطمئن ہے لیکن جس وقت اپنے وجود کو دریافت کرتا ہے تو اُس کے اندر اُس کو ایسے کل پُرزے ملتے ہیں جن کا تعلق غیروں سے' اوروں سے ہے اور دوسرے انسانوں سے ہے۔ جیسے اُس کی آنکھ' بینائی جسے کہتے ہیں'

اُس کی بینائی کسی اپنے جیسے وجود کو دیکھنا پسند کرے گی، تو اس طرح ایک اور انسان آ گیا۔ اب اگر اُسے کوئی نہ بھی ملے گا تو وہ آئینہ دیکھے گا، اپنے وجود کا عکس دیکھ لے گا، اس طرح وہ مطمئن رہ جائے گا۔ اس طرح چلتے چلتے، انسانوں کو دیکھنے کے لیے اُس کی آنکھ میں یہ Mechanical process ہے، یہ مشینی عمل ہے اور اُس کے دل میں شوق رکھ دیا گیا ہے۔ تنہا انسان بھی طالبِ محفل ہوگا، یہ طلب اس کے اندر موجود ہے اور اس طرح اُس کو کوئی اچھی سی بات سمجھ آ جائے گی، وہ بیچارہ تنہا جنگل میں رہتا ہے، غاروں میں رہتا ہے، اگر اس کو کوئی میٹھا پھل مل جائے تو وہ شور مچائے گا کسی کو دکھانے کے لیے، کھلانے کے لیے، کہے گا کوئی اور وجود ہو تا کہ میں اُسے دکھاؤں کہ میں نے یہ چیز دریافت کر لی ہے۔ تو وہاں اُس کو کسی اور کی ضرورت محسوس ہوگی۔ یہ صرف آنکھوں کی بات ہو رہی ہے اور جب وہ اپنی آواز دریافت کرتا ہے تو پھر وہ دیکھتا ہے کہ آواز کیسے رجسٹر ہوتی ہے، آواز کدھر جاتی ہے، پھر اُسے پتہ چلتا ہے کہ یہ تو کان کے ذریعے رجسٹر ہوتی ہے، کان کے ذریعے سنی جا سکتی ہے، تو پھر اُس کو کوئی اور کان چاہیے۔ تب وہ انسانوں کو دریافت کرے گا۔ اگر گلے میں سوز پیدا ہو گیا، نغمہ پیدا ہو گیا تو وہ سب کو سنائے گا کہ یہ میری آواز ہے۔ شیر سارے جنگل کو اپنی آواز سے بتائے گا۔ شیر کی شکل میں اتنی ہیبت نہیں جتنا اُس کی آواز میں رعب ہے، اور وہ یہ بتائے گا۔ تو آواز کے حوالے سے کان کی، اور انسانی کانوں کی تلاش میں وہ انسانوں کے قُرب میں جائے گا۔ پھر صحت اور بیماری کی جو ضرورت ہے یہاں پر بھی اُسے انسان چاہیے، شادی کے لیے ایک ساتھی کی بھی تمنا ہوگی ...... کیونکہ یہ وجود کے اندر کے حصے ہیں اور انسانوں کے اپنے پرزے ہیں۔ اسی طرح روحانی دنیا کے

اندر، روحانیت کے اندر جب وہ انسان جائے گا تو پھر اُس کو روحانی طور پر کوئی نہ کوئی رفیقِ طریق یا رفیقانِ طریق چاہییں، یہ بھی ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا جس کو خالق نے تخلیق فرمایا، اُس نے اس کے اندر اجتماع سازی کا ایک شعبہ Secretly رکھ دیا۔ اگر آپ خدا کو نہ مانیں تب بھی آپ کو سماج ضرور بنانا پڑے گا۔ سماج بنانا انسان کی طاقت بھی ہے اور اُس کی کمزوری بھی ہے۔ یہ سماج بنانا شروع سے چلا آ رہا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ Man is a social animal یعنی انسان معاشرتی حیوان ہے، تو اس طرح وہ ساری تھیوری بناتے ہیں۔ پھر جب سماج بنا اور انسان سماج میں داخل ہوا تو اِن سماج ساز اداروں کو سماج شکن ادارے بھی مل گئے۔ وہ سماج شکن ادارے یہ تھے کہ کسی نے محفل لگائی اور کھانا پکایا اور ایک شخص نے آ کے کھانا چرا لیا۔ اب یہاں آ کے سسٹم بنانا پڑ گیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ اگر ایک آدمی چاہے تو سارا سسٹم توڑ سکتا ہے۔ یعنی ایک آدمی نے مکان بنایا، جھونپڑی بنائی اور دوسرے نے آ کر آگ لگا دی۔ انسانوں نے کہا کہ اس کا تو کچھ ہونا چاہیے۔ اس لیے اُس پر ایک Check رکھ دیا، رُعب رکھ دیا جس کو کہتے ہیں سماج میں اخلاقی قانون۔ پھر جب اخلاقی قانون اخلاقیات کے حوالے سے بنا تو انہوں نے کہا کہ اخلاقیات کا حوالہ جو ہے انسانوں کی بنائی ہوئی اخلاقیات ہے اور اس کو بنانے والا اس میں اپنا مطلب رکھ لیتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے یہ کہا کہ سب لوگ برابر ہوتے ہیں اور پھر برابر کی تقسیم میں اپنے آپ کا ذرا زیادہ حصہ رکھ لیا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا؟ تو وہ کہتا ہے کہ سب لوگ برابر ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ ''زیادہ برابر'' ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ لوگ ''زیادہ برابر'' ہوتے ہیں، وہ اس طرح اپنے آپ کو زیادہ طاقت ور بنانے

کے لیے اپنے حصے بڑھاتے جاتے ہیں۔ یہاں سے وہ نظریہ بن گیا Divine right of Kings یعنی بادشاہ کو اللہ کی طرف سے اختیار ملا ہے یعنی وہ بادشاہ آ گیا' ظالم آ گیا' جابر آ گیا اور کہنے لگا کہ میں آسمان کی طرف سے آیا ہوں۔ یہاں پر ضرورت پڑتی ہے مذہب کی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے' اُسی اللہ نے جو خالق تھا' اُس نے پھر اپنی طرف سے کچھ اصحاب مبعوث فرما دیے جو لوگوں کو یہ بتائیں کہ یہ زندگی ہی کافی نہیں ہے' یہ زندگی جواب دہ بھی ہے اور آپ نے کسی اور زمانے میں جانا ہے۔ یہاں سے دین شروع ہوا۔ دین کا مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی جو تم گزار رہے ہو یہ خالی Eat, drink and be merry نہیں ہے یعنی صرف کھانا پینا اور عیش کرنا ہی نہیں ہے بلکہ تم Answerable ہو' جواب دہ ہو اور تمہاری زندگی جو گزر رہی ہے' اس کی ایک جواب دہی ہے صرف یہاں نہیں بلکہ آئندہ زندگی میں۔ تو وہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی کے نظام کی خبر دیتے رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بزرگ' پیغمبر تھے اور یہاں سے دین شروع ہوا۔ انہوں نے پھر یہ کہا کہ آپ کی جو اخلاقیات ہے' اخلاقیات کے یہ حصے صحیح ہیں اور وہ حصے صحیح نہیں ہیں۔ اخلاقیات میں انہوں نے الٰہیات داخل کر دی۔ اخلاقیات میں جہاں الٰہیات داخل ہوئی وہاں سے عبادت بنی ورنہ اخلاقیات تو موجود تھیں' جس کا بچہ بیمار ہوتا تھا تو وہ حکیم صاحب کے پاس ضرور جاتا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ بچے کی خدمت کرو اس لیے کہ یہ اللہ کا حکم ہے' یہ تمہاری ضرورت ضرور ہے لیکن یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ اگرچہ ماں باپ تمہاری ضرورت نہیں ہیں لیکن اب اُن کی خدمت اللہ کا حکم ہے۔ کیونکہ تم لوگ اپنی ضرورتوں سے آزاد ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ ماں باپ کا زمانہ پرانا ہو گیا' وہ بوڑھے ہو گئے'

اب انہیں علیحدہ کر دو کیونکہ تم کاروبار میں کافی کما چکے ہو بلکہ ماں باپ کی دوکانیں اب تمہارے نام ہیں۔ اس لیے ایسا نہ ہو کہ آپ آزادی اور ضرورت کی عدم موجودگی جو ہے اسی میں مگن ہو جائیں اور والدین کو چھوڑ دیں۔ یہاں یہ بتایا گیا کہ جہاں اخلاقی بات تمہیں سمجھ نہ آتی ہو وہاں الٰہیات کو سمجھو۔ تو یہ عبادت ہے۔ مذہب نے زندگی کے شعور کو' سماج کے شعور کو ایک اللہ کے اُس حکم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جس اللہ نے اِس کائنات کو اور ان انسانوں کو بنایا تھا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء کیا ہے' خالق کا انسان بنانے کا منشاء کیا ہے۔ تو انہوں نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا' میں نے تم لوگوں کو تخلیق کیا تا کہ میرا اپنا اظہار ہو۔ اور میں نے تمہیں اس لیے بنایا بلکہ ہر شے کو اس لیے بنایا الا لیعبدون تا کہ تم لوگ اور ساری کائنات عبادت کریں۔ اور یہ جو آپ اپنی صفت کے مطابق چل رہے ہیں یہ عبادت کا حصہ ہے لیکن یہ عبادت تسبیح کہلائے گی۔ تو انسان مجبور ہے' ایک مشین ہے' کھلونا ہے جو چل رہا ہے' اپنے وقت کے مطابق چل رہا ہے اور یہ تسبیح ہے اور یہی کام کائنات کی بے جان چیزیں بھی کر رہی ہیں یسبح للہ مافی السمٰوٰت و ما فی الارض جو کچھ بھی آسمان اور زمین میں ہے' ذی جان' بے جان' شجر' حجر' درخت' سارے کے سارے' سب تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ تسبیح کا معنی کیا ہے؟ پرندے جو ہیں وہ اڑتے ہی رہیں گے' تو یہ تسبیح ہے اور پہاڑ جو ہیں وہ اُڑنا شروع نہیں کر دیں گے' یہ تسبیح ہے۔ لٰہذا اپنی صفت کے اندر برقرار رہنا' اُس کی تسبیح ہے۔ ہر چیز کا اپنا اپنا نظام ہے اور نظامِ عدل اُس کے اوپر چھایا ہوا ہے اور اس کے مطابق ہر چیز کام کر رہی ہے۔ تو جب دین نے بتایا کہ یہ عبادت ہے تو اُس عبادت کا رُخ یہ تھا کہ دنیا

کے اندر انسانوں میں ایک خاص قسم کی تہذیب' ایک خاص قسم کا امن اور ایک خاص قسم کا شعور پیدا ہو جائے تا کہ اس زندگی کا مفہوم اور آنے والی زندگی کا مفہوم سمجھ آ جائے۔ پھر اُس مذہب نے ماننے والوں کا اپنے پیغمبر کے حوالے سے گروہ بنایا۔ یہ گروہ تھا ان ماننے والوں کا جو اس بات کے داعی تھے کہ زمین پر انسانوں میں ایک نظامِ عدل قائم ہو جائے۔ انہوں نے نظامِ عدل قائم کرنا چاہا' نظامِ انصاف قائم کرنا چاہا' نظامِ الٰہیات قائم کرنا چاہا اور نظامِ اخلاقیات قائم کرنا چاہا۔ تو انہوں نے دنیا میں وہ نظام قائم کرنا چاہا اور قائم کرنے والے گروہ کے لوگ اس مذہب کے لوگ کہلائے۔ اُس مذہب کے پیغمبر علیہم السلام جو بھی تھے انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ تم اپنا ذاتی تعارف جو ہے اس طرح کرو یعنی یہ عمل کرو تو یہ عبادت ہے۔ تو عبادت کیا ہوئی؟ عبادت صفت کا استعمال نہیں ہے کیونکہ وہ ہر آدمی کرتا ہے' کافر بھی کرتا ہے یعنی بھوک لگے گی تو کھانا کھائے گا' بیمار ہوگا تو ڈاکٹر کے پاس جائے گا' تکلیف ہوگی تو روئے گا اور روئے گا ضرور۔ کسی کا کوئی مر جائے' کافر کا باپ مر جائے تو وہ بھی مسلمان کی طرح روتا ہے' کمال کی بات تو یہ ہے۔ حالانکہ وہ کافر ہے' اُس کو رونا نہیں چاہیے لیکن وہ بھی مسلمانوں کی طرح روتا ہے' پیدا بھی اسی طرح ہوتا ہے' مرتا بھی اسی طرح سے ہے' اُس کی زندگی بھی اتنی ساری ہے اُس کو بھی وہی تکلیفیں ہیں اور وہی حالات ہیں۔ ذرا کھانے پینے اور رہنے سہنے کے آداب مختلف ہیں ورنہ وہ بھی لباس جسم کو ڈھانپنے کے لیے استعمال کریں گے اور آپ بھی استعمال کرو گے' کسی نے کس طرح ڈھانپ لیا' کسی نے اور طرح ڈھانپ لیا' کسی نے اطلس اور کمخواب میں ڈھانپ لیا اور کسی نے ٹاٹ سے ڈھانپ لیا' جسم کو ڈھانپ تو لیا' رات سمور میں گزر گئی یا تنور میں

گزر گئی، رات تو سب کی گزر گئی۔ تو وہ جو مذہب کے داعی تھے انہوں نے اپنا ایک انداز اختیار کیا۔ اُس اللہ تعالیٰ کی انسانی عبادت کرنے کے علاوہ پیدا ہونا عبادت ہے، مر جانا عبادت ہے، گھروں میں رہنا عبادت ہے، کھانا حلال کا کھانا عبادت ہے، یہ بات ہر دین والا کہے گا بلکہ کافر بھی کہے گا۔ آپ کافروں کے پاس جاؤ، کافروں کے معاشرے میں جاؤ تو وہاں کچھ قباحتیں تو ہوں گی ورنہ آپ کو وہ یہ کہیں گے کہ ہم لوگ منشائے اسلام کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں، کلمے کے علاوہ ہمارے پاس اسلام کا سارا منشا پورا ہے کہ بے ایمانی ہم نہیں کرتے، جھوٹ ہم نہیں بولتے یا کم بولتے ہیں، ہم ہسپتالوں میں Patient، مریض کی خدمت کرتے ہیں، اگر ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کی گارنٹی پانچ سال ہے تو وہ چیز دس سال چلے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اُن کی ساری زندگی منشائے اسلام کی زندگی لگتی ہے بلکہ وہ اسلام ہی ہے کلمے کے علاوہ۔ اور اب آپ لوگوں کے پاس کلمہ رہ گیا ہے عمل کے علاوہ۔ آپ کو یہ بات غور سے سننی چاہیے کہ وہ جو صرف صفات ہیں، سچ بولنا عبادت ہے، اور صفات بھی عبادت ہیں لیکن جس پہ ہم زور دے رہے ہیں یا مسلمان مولوی زور دے رہا ہے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ صرف صفات کی عبادت نہیں ہے بلکہ تم نے ایک حکم کی عبادت کرنی ہے۔ وہ جو تمہاری عبادت ہے وہ الگ ہے اور وہ سماج کی عبادت ہے، معاشرے کی عبادت ہے، معاشرے کی فلاح کی عبادت ہے کہ برائی نہ کرو گے، بے ایمانی نہ کرو گے تو معاشرہ بچ جائے گا اور دیرپا ہو جائے گا۔ اگر تم نے کہا ہے کہ اس میں اتنے گرام سونا ڈالا ہے تو اُس میں سے اتنے ہی گرام سونا نکلنا چاہیے۔ تو اس طرح معاشرہ قائم ہو جائے گا لیکن ہم نے یہ کہا کہ اس کے اندر اللہ کا وہ حکم جو ہمیں اللہ کے محبوب ﷺ سے ملا اُس کے

مطابق ہم عمل کریں گے تو یہ عبادت کہلائے گی۔ گویا کہ بات یوں آسان ہو گئی کہ وہ کام جو ہم زندگی کی مجبوری کے لیے کرتے ہیں' مثلاً زندگی اللہ نے بنائی ہے' اور مجبوری اُدھر سے آئی ہے تو وہ کام عبادت ہے۔ لہٰذا زندگی کی مجبوری کے مطابق کام کرنا عبادت ہے' دوسرے کی مجبوری میں اُس کے ساتھ تعاون کرنا عبادت ہے' اس کائنات کے باقی انسانوں سے محبت کرنا عبادت ہے' زمین پر فتنہ فساد نہ پھیلانا عبادت ہے' یہ سب عبادتیں ہیں' آپ پر جو زندگی کا بوجھ نازل ہوا یہ عبادت ہے' ماں باپ کی خدمت عبادت ہے لیکن ہم اصل میں اُس کو عبادت کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی زبان سے معاشرے کے اندر عبادت کے نام پر رائج کی گئی اور ہمارا اُس عبادت پہ زور ہے۔ ایک آدمی اگر کہتا ہے کہ میں کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا' میں غریبوں کا خون تو نہیں پیتا' صرف شراب ہی پیتا ہوں تو یہ بات نامناسب ہے۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ غریبوں کا خون پیو۔ ایک آدمی صرف شراب پیتا ہے' اور باقی برائی کوئی نہیں کرتا تو اللہ کے حکم کے مطابق یہ منع ہے کہ اسے نہ پیو۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں باقی سارے اسلام پر پابند ہوں لیکن صرف شراب پیتا ہوں تو اسلام کی منشاء کے مطابق کسی بھی ایک حکم کو Openly violate کرنا' کھلی خلاف ورزی کرنا جو ہے اس کے خلاف چیلنج ہے' گویا کہ آپ اس کے خلافؒ کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح سود اللہ کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ آپ ساری نمازیں پڑھتے جاؤ اور سود کا کام ہو تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس سے آپ کا سارا اسلام ختم ہو جائے گا۔ اللہ کا حکم ہے کہ سؤر کا گوشت نہیں کھانا' اس سے کوئی قباحت ہو گی' فرض کرو قباحت نہیں ہوتی تو پھر کیا ہوا؟ پھر آپ کہیں گے کہ کیونکہ یہ حکم ہے اس

لیے نہیں کھانا۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھے اس کا گوشت کھانے سے تکلیف کوئی نہیں پہنچتی تو تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے تم حکم عدولی سے باز آجاؤ۔ شیطان کو کیا تکلیف پہنچتی تھی سجدے میں' اور باقیوں کو کیا نقصان ہوگیا سجدہ کرنے میں' اُس نے اللہ کے حکم کی حکم عدولی کی تو اللہ نے فرمایا کہ باہر نکل جاؤ۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جو خاموشی سے آپ پر نازل ہے اُس کو پورا کرنے پر آپ مجبور ہیں۔ بیٹی کی شادی ہوگی تب بھی آپ روشنیاں کرو گے اور اگر بیٹے کی شادی ہوگی تو بھی آپ جگمگائیں گے۔ تو جہاں اللہ کا حکم آجائے اگر آپ وہاں حکم عدولی کریں گے تو پھر آپ کی ساری عبادتیں رائیگاں ہوجائیں گی کیونکہ عبادت کے نام سے اللہ کا جو حکم ہے اُس کو آپ نے نہیں مانا۔ اس لیے آپ اگر عبادت کے لیے کوئی فلاح گاہ یا فلاح نامہ بنالیں' ایک ایسی عمارت بنالیں جس میں ہر ایک آدمی کے لیے عافیت ہو اور نیکی کا موقع ہو۔ اگر کوئی شخص ایک بہشت بنالے جس بہشت میں ساری نیکی بھی ہو جائے' مہربانیاں بھی ہو جائیں' صداقتیں بھی ہو جائیں لیکن اُس جنت سے وہ مسجد بہت بہتر ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق بنائی جائے' چاہے وہ ٹوٹی ہوئی ہو۔ یعنی عبادت کا مفہوم نہیں لینا بلکہ عبادت کا حکم دیکھنا ہے کہ اللہ نے کیسے کہا ہے۔ آپ سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ نماز یوں پڑھنے سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ایسے نماز پڑھو' ایسے وضو کرو اور پھر بار بار نماز پڑھتے جاتے ہو اور اللہ سے کہتے جاؤ کہ اھدنا الصراط المستقیم' کئی سال سے کہہ رہے ہو کہ صراطِ مستقیم دکھا' لیکن تمہیں یہ نہیں ملی۔ آپ کہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے' تو پھر یہی عبادت ہے۔ اگر روزے کا حکم آ گیا کہ تم تیس روزے رکھو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے کیا ہوتا ہے؟ لوگ کہتے ہیں اس سے توکل ہو جائے گا' یہ ہو جائے گا' وہ ہو جائے گا۔

وہ شخص پھر کہتا ہے اس کے بغیر ہی توکّل ہے کیونکہ ہمیں پہلے ہی فاقہ آیا ہوا ہے' تو پھر روزہ کیا رکھنا ہے۔ اگر یہ اللہ کا حکم سمجھ کے آپ نے مان لیا تو پھر یہ عبادت ہے ورنہ فاقہ کرنا عبادت نہیں بلکہ آپ کی مجبوری ہوگی۔ اس لیے عبادت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو دنیا کے اندر ایک نظامِ عبادت میں مربوط کر کے جو احکام فرمائے' تو اُس کو ہم عبادت کہیں گے۔ باقی عبادتیں برحق ہیں لیکن اس عبادت کو آپ چھوڑ نہیں سکتے۔ کوئی شخص کہتا ہے کہ زندگی بڑی Fast ہوگئی ہے' Mechanical age ہو گئی ہے' زندگی کمپیوٹرائز ہوگئی ہے' چلو آج اس طرح کرتے ہیں کہ تین نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو تم دین کے اندر مداخلت کر رہے ہو اور تمہارا انجام وہی ہوگا جو نماز Cancel' ترک کرنے والے کا ہو سکتا ہے۔ کمال کی بات تو یہ ہے کہ آپ کے پاس پانچ نمازیں پڑھنے کا وقت نہیں ہے اور آپ آج کل بھی یہ دیکھیں گے کہ پانچ نمازیں پڑھنے والوں کے پاس آج بھی وقت ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ تو وقت نکل آئے گا اور ضرور نکل آئے گا۔ تو عبادت ہم کسے کہیں گے؟ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ کے محبوب ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو اللہ کے رُوبرو پیش ہونے کے انداز سکھائے۔ تو آپؐ نے اللہ کے رُوبرو پیش ہونے کے جو انداز و آداب سکھائے ان کو ہم عبادت کہیں گے۔ ہر چند کہ باقی ساری کائنات عبادت کر رہی ہے' سورج چل رہا ہے' روشنی دے رہا ہے تو یہ عبادت ہے' ستارے چل رہے ہیں تو یہ عبادت ہے' پرندے اُڑ رہے ہیں تو یہ عبادت ہے' پہاڑ میخوں کی طرح قائم ہیں تو یہ عبادت ہے' ان کی اپنی تسبیح ہے' مناجات ہیں' سب کچھ ہے' لیکن ہمارے لیے عبادت کیا ہے؟ زندگی کے اعمال کا

خیال رکھنا، زندگی کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام جو اللہ کے محبوب ﷺ کے ذریعے آپ تک آئے، ایک معاشرے کے اللہ کے رُوبرو ہونے کے آداب کا نام عبادت ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اس میں آپ کو کوئی وضاحت چاہیے تو پوچھو......

سوال:

یہ جو جذب کی حالت میں بزرگ ہوتے ہیں وہ تو عبادت نہیں کر۔تے، تو پھر کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اصل بزرگ ہیں یا نہیں؟

جواب:

اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بجائے ادھر دھیان دینے کے آپ اپنی ''توڑ نبھاؤ'' اور اپنی عبادت کو جاری رکھو۔ آپ اگر کسی کو کم عبادت میں دیکھیں تو اُس کی یا تو آپ کو پوری تحقیق ہو کہ معاملہ کیا ہے ورنہ تحقیق نہ ہو تو حسنِ ظن قائم رکھو۔ آپ بدظن نہ ہونا ان بعض الظن اثم عین ممکن ہے کہ کچھ شک ایسے بھی ہیں جو گناہ ہوں۔ تو ایسے بزرگوں کی زندگی کیسے جا رہی ہے؟ بس ٹھیک جا رہی ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کا اللہ کے راستے کا سفر ٹھیک جا رہا ہے؟ تو آپ چلتے رہیں۔ عام طور پر کوئی فقیر ایسا نہیں ہوگا جس نے آستانہ بنایا ہوا ور آستانے سے پہلے مسجد نہ بنائی ہو۔ کسی فقیر کا آستانہ آپ نے نہیں دیکھا ہوگا جہاں مسجد نہ ہو۔ بابا بلھے شاہؒ اگر یہ کہتے ہیں کہ

چوری کرتے بھن گھر رب داتے اُس ٹھگاں دے ٹھگ نوں ٹھگ

تو مسجد انہوں نے پہلے بنا دی۔ آپ داتا صاحبؒ جا کر دیکھو تو مسجد پہلے بنا دی انہوں نے یعنی آستانے سے پہلے مسجد بنا دی۔ بابا صاحبؒ کے پاس پاک پتن

شریف میں قوالی ہوگی لیکن مسجد ساتھ ہوگی۔ آپ مجھے کسی مستند درویش کا کوئی ایسا آستانہ دکھاؤ جہاں مسجد نہ بنی ہو۔ تو انہوں نے مسجد کا نظام درست رکھا اور رکھوایا۔ مسجد سے جو اگلا باب ہے' یعنی شریعت کے ساتھ حقیقت کا بیان کرنا' شریعت کے ساتھ طریقت کا بیان تو اس کام کے لیے وہ آستانہ بناتے ہیں۔ اس میں بھی اِن کی کوئی کوتاہی نہیں ہوتی ہے بلکہ آپ کو کوتاہی لگتی ہے۔ وہ عام طور پر چھپ کر عبادت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ہم کس منہ سے اس کے سامنے جائیں' پتہ نہیں ہم اس قابل ہیں کہ نہیں۔ اور جب اُن کو حکم ہو جاتا ہے تو وہ پورا نظام قائم رکھتے ہیں' مساجد کا نظام پورا بناتے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ بنایا ہے۔ ایک بڑے درویش کی بات ہے' جب قوالی ہوئی تو انہیں حال ہو گیا' پھر جب بھی قوالی ہوتی تھی اُن کو حال ہو جاتا تھا' اور جب اذان کی آواز آتی تو حال خاموش' حال ختم ہو جاتا' اسی حال میں وہ نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر اپنی کیفیت میں واپس آجاتے۔ تو یہ اللہ کی مرضی ہے کہ انہیں کیسے نماز پڑھائے اور ان کے ساتھ کیا کرے ؎

بہر طرزِ کہ تو رقصانیم اے یار می رقصم

مقصد یہ کہ اب یہ اُس کا عمل ہے کہ جس انداز سے وہ رقص کرائے گا اس کا بندہ اس انداز سے رقص کرتا جائے گا۔ یہ فطرت کا اپنا عمل ہوتا ہے کہ وہ کس کو کیا بنائے جیسا کہ علامہ اقبالؒ جو ہیں وہ جج بن سکتے تھے ''سر'' کا ٹائیٹل بھی اُن کے پاس تھا مگر وہ فقیر بن گئے اور اس طرح وہ راتوں کو جاگنے لگے۔ سارے ڈاکٹر کہتے رہے کہ آپ رات کو جلدی سو جایا کریں بلکہ اُس زمانے میں بھی نیند کی گولیاں ہوتی ہوں گی مگر وہ افلاک سے نالوں کا جواب رات کو Receive

کرتے رہے اور جاگتے رہے اور یہ کہتے رہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اور یہ کہ۔

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا

یعنی کہ اقبالؒ دیوانے ہو گئے ہیں، لیکن یہاں دیوانہ کرنے والی کوئی اور ذات ہے اور وہ جگاتی ہے حالانکہ اُس کو پتہ ہے کہ سونا چاہیے۔ اس لیے کبھی فطرت جو ہے وہ اپنے پروگرام کے لیے کوئی اور کھیل کر دیتی ہے۔ اور جھوٹا فقیر جو ہے وہ عبادت کا بھرم دے کر آپ کو مارے گا، یعنی جب بھی کوئی فقیر جھوٹا ہو گا وہ بڑی نمازیں پڑھے گا۔ اول تو فقیر جھوٹا ہوتا ہی نہیں ہے لیکن جب دھوکہ باز نے کوئی دھوکا کرنا ہو تو وہ نمازیں پڑھے گا، لمبا چوڑا عمامہ باندھے گا، لمبی لمبی تسبیح پڑھے گا اور اس طرح ''لمبیاں'' فقیریاں کرے گا۔ ایسے جھوٹے پیروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ۔

کسی کی محنت کی کھائیں قیمت تھے اِن کے ہی باپ دادا سلطاں
تیری عقیدت کے ہیں یہ رہزن بنے ہیں سالارِ کارواں
مرید کا خون پی رہے ہیں تبھی ہیں چہروں پہ سرخیاں
لباس میں بانکپن تو دیکھو انوکھی ترچھی ہیں ٹوپیاں
عذاب ہے یا اک قیامت ہمارے سر ان کی جوتیاں
ہے ان کی اپنی ہی جیب خالی کہاں بھریں گے یہ جھولیاں
علیؑ کا کنبہ شہید ہو گا تو یہ سنیں گے قوالیاں
بجا کہ ان کے بزرگ اعلیٰ تھا دن کو فاقہ تو شام گریاں

معینؒ و خواجہ قطبؒ کے آقا　　فریدؒ و صابرؒ ہیں اب کہاں
نظامؒ و خسروؒ کی بات کیا ہے　　ہے آج بھی زندہ آستاں
مہارؒ والے مٹھن کے راجہؒ　　سلام خواجہ شاہ سلیمانؒ
کہ باہو سلطانؒ گڑھ مہاراجہ　　ہے ہُو کا عالم ابھی تک وہاں

تو جھوٹے پیروں اور باکمال بزرگوں کی عجیب بات ہے‘ لمبی کہانی ہے‘ کیا سناؤں۔ آپ نے نماز ترک کرنے کی بات کی ہے مگر جو آپ کا اب نظام ہے اس میں جھوٹا پیر جو ہوگا وہ دھوکہ کرنے کے لیے نماز کا پابند ہوگا‘ ور محراب کی نشانی کہیں نہ کہیں لگائے گا‘ اصل فقیر اس کے باوجود بھی فقیری کرتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس صداقت کا کوئی پہلو ہوگا‘ کوئی ثبوت ہوگا اور ان کے ہاں باقی تمام صفات مکمل ہوئی پڑی ہیں۔ اور جھوٹے پیر کے پاس دھوکے کی ساری کاروائیاں ہوئی پڑی ہیں‘ مسجد بھی بنائی ہوئی ہے‘ نماز پڑھتا ہے بلکہ نماز پڑھاتا بھی ہے اور سارا روپ رنگ مکمل ہے۔ یہ ایک بہروپیے کی کہانی ہے کہ اس نے اکبر کو کہا کہ میں تمہیں دھوکا دے سکتا ہوں۔ تو بادشاہ نے کہا کہ دے کے دکھا۔ وہ بہروپیا جا کے پیر بن گیا اور بڑا مشہور ہو گیا۔ بادشاہ بھی اس کا سن کر اس کے پاس گیا اور دعا کرائی۔ اس طرح وہ دھوکے میں آ گیا۔ بہروپیا پھر دربار میں آیا اور بادشاہ سے کہا کہ میرا انعام دو کیونکہ میں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا تجھے تو لوگوں نے اتنا کچھ دے دیا ہے اب وہ کام کیوں نہیں کرتے۔ تو بہروپیے نے کہا کہ جن لوگوں کے نام کا بہروپ بھرا ہے میں ان کے ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اور آج کل ان بزرگوں کے نام کا بہروپ کئی سجادگان بھرے بیٹھے ہیں...... اس لیے

عبادت کے اندر مکمل طور پر رہنے والا پیر جو ہے اگر وہ فقیر نہیں ہے تو دھوکا دے رہا ہے۔ تو عبادت ہی اس کے دھوکے کا ذریعہ ہے' وہ کہہ سکتا ہے کہ میں تو نماز پڑھ رہا ہوں' لیکن اس طرح اُسے فقیر نہیں مانا جا سکتا۔ تو نماز کے برملا اظہار میں اندیشہ ہو سکتا ہے لیکن اندیشہ نہ ہو تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ اللہ والے' فقیر کے ہاں اندیشہ نہیں ہوتا اور وہ جس بھی حالت میں ہو اس کے پاس صداقت ہوتی ہے

......کوئی اور سوال ہو تو پوچھ لو ......

سوال:

عبادت تو ظاہر ہو جاتی ہے' پھر اس کا کیا کریں؟

جواب:

عبادت بے شک ظاہر ہو لیکن ریا کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ عبادت کی داد پانے والا ریا کار ہے۔ عبادت کی منظوری کی خبر بعد میں جا کے ہوگی

بھریا اس دا جانیے جس دا توڑ چڑھے

یعنی کامیاب وہ ہے جو منزل تک پانی بھر لائے۔ ابھی تو سارے مسافر ہیں اور راستے میں ہیں' پتہ نہیں کہ کیا قبول ہوگا۔ عبادت کے حوالے سے اللہ کے بندوں کو متاثر کرنے والا اور دھوکا دینے والا یہ سمجھ لے کہ اس کی بخشش کا امکان خطرے میں ہے۔ یعنی جو دین کے نام پر دھوکا دے اس کی بخشش کا امکان خطرے میں ہے کیونکہ دین تو صداقت کا نام ہے اور صداقت کے اندر وہ کاذب پیدا ہو گیا' تو اس کاذب کے لیے بخشش کا امکان نہیں ہے۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کے نام پر دھوکا دینے والا' اللہ کے دین کے حوالے دے کر دھوکا دینے والا جو ہے اس کی بخشش کا امکان نہیں ہے۔

سوال:

کوئی ایسا آسان نسخہ بتائیں جس سے رات کا جاگنا آسان ہو جائے۔

جواب:

بزرگوں نے اس کا عام طور پر یہ راستہ بتایا ہے کہ اپنے تکیے کے نیچے موت کو رکھا کرو، موت کو ساتھ لے کے سویا کرو۔ اگر موت اپنے سرہانے کے ساتھ رکھو تو پھر نیند نہیں آئے گی اور جاگنا ہی جاگنا ہو جائے گا۔

مجھ کو جنوں نہیں ہے کہ جاگوں تمام رات
لیکن تیرا خیال جگائے تو کیا کروں

تو اللہ کا خیال ہو گا تو وہ جگائے گا۔ خالی جاگنا نہیں ہو سکتا، الارم سے انسان نہیں جاگ سکتا بلکہ کسی خیال سے جاگتا ہے، کوئی خیال اُسے جگاتا ہے۔ اگر اس لائف کے چھوٹ جانے کا خیال ہو تب بھی انسان جاگ پڑتا ہے۔ زندگی کے فانی ہونے کے خیال کا نام ہی جاگنا ہے بلکہ جاگنا کہتے ہی اس کو ہیں یعنی کہ جو جاگ گیا اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ زندگی فانی ہے۔ اس لیے جس کو زندگی کے فانی ہونے کی واردات نہ ہو وہ جاگ نہیں سکتا۔ جس کو یہ یقین ہو جائے کہ زندگی فانی ہے اور پھر اس کی واردات شروع ہو جائے کہ میرا اگلا لمحہ یہاں نہیں ہونا، دنیا میں نہیں ہونا، یہ میرا Last moment ہو سکتا ہے تو پھر اس کے لیے نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر ایسا شخص تو یہ پوچھے گا کہ نیند آنے کا نسخہ کیا ہے؟ اس کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ انسان دن کو سو جائے گا، جب دن کو نیند پوری ہو گئی تو رات کو جاگ آ جائے گی۔ جس کی رات جاگتی ہے اس کے دن عام طور پر سوتے ہیں۔ ''دن سونے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کاروبار کو مدھم کر دو تو بیداری پیدا ہو جائے

گی۔ ایک ہوتا ہے ذوقِ کاروبار اور دوسرا ہوتا ہے کاروبارِ ذوق۔ ذوقِ کاروبار اگر ختم ہو جائے تو کاروبارِ ذوق جاگ پڑتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رات اس وقت جاگتی ہے جب دن کا شعبہ ختم ہو جائے، جب دن کے چھوٹے چھوٹے واقعات ختم ہو جائیں تو یہ ذہن پر تاثر دینا بند کر دیں گے، تو پھر آپ اس سے نکل کر آہ وفغانِ نیم شب میں داخل ہو جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ رات ان لوگوں کی جاگتی ہے جن میں کوئی فکر موجود ہو، جن میں واردات موجود ہو اور جن میں رِقّت موجود ہو۔ آنسوؤں والے کے لیے رات جاگتی ہوتی ہے اور یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ اگر رات کو جاگ کر آپ نے روٹین کی عبادت کرنی ہے تو آپ کے لیے تو پانچ نمازیں کافی ہیں اور رات آپ کے آرام کے لیے ہے اور اگر آپ روٹین سے ہٹ کے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دریافت کرنا ہو گا کہ

یا میں نہیں یا گردش افلاک نہیں ہے

پھر تو خود بخود ہی جاگ آ جائے گی۔ اور اگر کوئی مسئلہ پیدا ہو گیا تو پھر نیند نہیں آئے گی۔ اگر مسئلہ صرف روٹین کی عبادت ہے تو پھر اگر آپ اللہ کے رحم کے سہارے سو جاتے ہیں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ اور اگر آپ نے اُس ذات کو دریافت کرنا ہے، محبت کا کھیل ہے تو پھر آپ کو جاگ آ جائے گی۔ اگر آپ صرف رحمتؐ کے طلب گار ہیں تو وہ جاگے بغیر بھی مل سکتی ہے اور اگر آپ کو دریافت کرنا ہے تو بیداری ضروری ہے اور یہ ہونی چاہیے۔ نیند غفلت کا نام ہے۔ جب انسان غافل ہو گیا تو نیند آ جاتی ہے۔ اسی طرح ساری زندگی نیند ہوتی ہے، اگر زندگی میں کچھ پتہ نہ چلا تو یہ ساری کی ساری نیند ہے۔ اور اگر کسی کی آنکھیں دن کو کھل گئی ہیں مگر نیند کا سرور باقی ہے تو یہ نیند ہی نیند ہے۔ تو شعور کو بیدار

ہونا چاہیے۔

سوال:

بیماری کے متعلق بھی کچھ فرمادیں۔

جواب:

اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ بیماری اور غریبی ایک جیسی شے ہے۔ جس شخص کی زندگی اور مزاج اللہ کے قرب میں راغب ہو، جس کا مزاج اللہ کی طرف راغب ہو، اللہ کی طرف مائل ہو تو یہ ایک قسم ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جب انسان اللہ کی طرف مائل نہ ہو۔ جو اللہ کی طرف مائل نہیں ہے اس پر غریبی عذاب اور اس پر بیماری سزا ہے اور یہ بڑی ابتلا ہے اور بڑی Punishment ہے۔ جو اللہ کے تقرب میں رہتے ہیں ان کو غریبی اللہ کے قریب کرتی ہے اور بیماری ان کو اللہ کے قریب کرتی ہے کیونکہ اللہ کے چاہنے والے اور اللہ کے محبوب جو ہیں وہ غریبی سے بھی گزرے اور بیماری سے بھی گزرے۔ تو نیک آدمی کے لیے بیماری جو ہے یہ اللہ کا پیغام ہے اور برے آدمی کے لیے سزا ہے۔ ایک درویش کے پاس ایک شخص گیا جس کا بچہ بیمار تھا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ وہ مرید پھر آ گیا اور کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ بھی بیمار ہیں تو آپ اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے فرمایا میں نے دعا کی تھی اور مجھے جواب یہ آیا کہ پہلے فیصلہ کرو کہ یہ وجود تمہارا ہے یا ہمارا ہے ...... تو جو اللہ کے قریب رہنے والے ہیں وہ اپنے وجود کو اپنا نہیں سمجھتے۔ تو جس دل میں اللہ کی یاد ہو وہ دل اس کا اپنا دل ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا۔ پھر وہ حصہ اللہ کا اپنا ہے۔ اگر آپ کی آنکھ اللہ کے جلوے دیکھنے لگ جائے تو یہ ینظر بنور اللہ تو یہ آنکھ اللہ کی

ہو جاتی ہے۔ اب آپ کو سمجھ آئے گی کہ اللہ کیوں کہتا ہے کہ میں مومن کی آنکھ بن جاتا ہوں اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جب آپ کی آنکھ غیر اللہ کو نہ دیکھے تو یہ آنکھ اس کی اپنی بن جائے گی' جب دل غیر اللہ کے لیے نہ ہو تو پھر دل اس کا بن جائے گا۔ اسی طرح وجود ہے۔ وہ انسان جس کا اللہ کی طرف قرب ہے وہ اپنے وجود کو اللہ کے حوالے کر دے۔ پھر اللہ کی مرضی ہے کہ وہ بیمار کرے یا صحت مند رکھے' وہ مالک جو ہوا...... پھر وہ جو چاہے کرے۔ تو قرب والا آدمی بیماری کو ابتلاء نہیں سمجھتا بلکہ اسے اللہ کا اِذن سمجھتا ہے اور اسے خوشی سے گزارتا ہے کہ یہ اللہ کی یاد ہے۔ یاد جو ہے یہ آری کے دندانے کی طرح ہے' بیماری کی آری چلتی ہے اور یہ یاد ہے۔ شہید تو اللہ کے بہت قریب ہوتا ہے لیکن کسی کے ہاتھوں پر اس کا بیٹا شہید ہو جائے تو کون برداشت کرے گا۔ لیکن منزلت اور مرتبے کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر مرتبہ کوئی نہیں ہے' لیکن تجربے کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوف ناک بات کوئی نہیں۔ اگر کسی کا بچہ بیمار ہونے لگے تو اس کی زندگی میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر اپنے ہاتھ پر بچہ تڑپ تڑپ کر مر جائے تو یہ انہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے مرتبے اور منازل کے لحاظ سے ان کے مقامات اونچے مقامات ہیں اور بیماری برداشت کرنا بھی اسی مقام کا فیض ہے۔ یہ فیض ہے کسی شہید کے ساتھ نسبت کا' کسی قلندر کے ساتھ نسبت کا' کسی طاقت ور شیخ کے ساتھ نسبت کا۔ تو یہ انہی کا فیض ہوتا ہے اور انہی کی نسبت ہوتی ہے۔ اگر نسبت نہ ہو تو پھر یہ پریشانی کی بات ہوتی ہے۔ اگر نسبت ہے تو پھر ؎

ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

کیونکہ وہ مالک ہے' جو ہر ہر کا مالک ہے' وہ جو چاہے کرے۔ میرا خیال ہے اپنے

قریب رہنے والوں کو اس نے ہمیشہ تھوڑی سی دقت میں رکھا ہے اور انہیں جگایا ہے۔ تو قریب ہونے کا ثبوت ہی یہ ہے کہ تھوڑی بہت بیماری ہو جاتی ہے۔ چونکہ آپ آج اس محفل میں آئے ہیں تو دعا کرنی چاہیے کہ جو بیمار ہیں انہیں بیماری سے نجات مل جائے ...... تو قرب بھی رہے اور بیماری سے نجات بھی مل جائے۔ سب کے لیے دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب پر کرم فرمائے۔ آپ سب سلامت رہیں اور خوش رہیں۔ آمین برحمتک یاارحم الراحمین۔
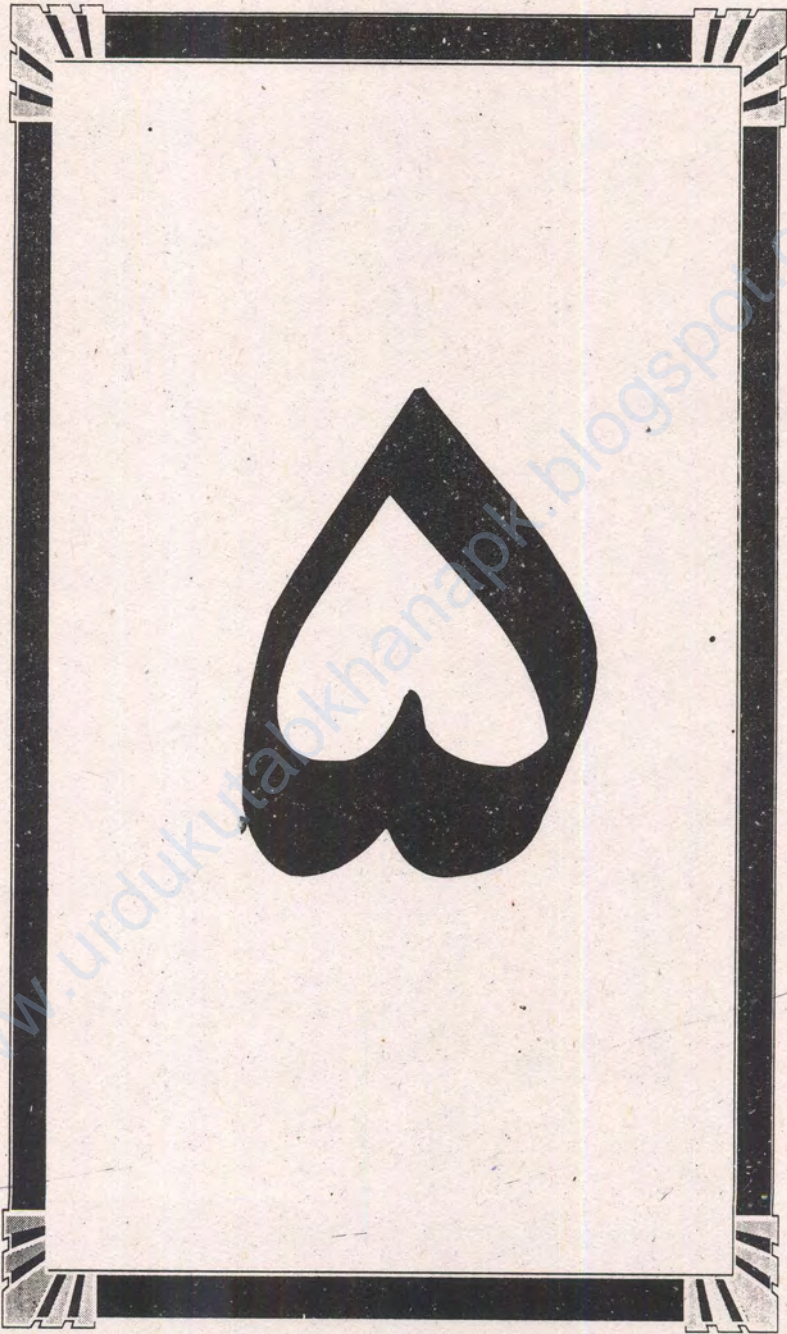
- کوئی ایسا طریقہ بتا دیں کہ قرآن پاک کو پڑھ کر اس سے فیض حاصل کیا جا سکے۔
- کافروں نے قیامت کے دن کہنا ہے کہ کاش ہم مٹی ہوتے مگر مٹی کی تو کئی خصوصیات ہیں۔
- سر! فانی اور باقی کی پہچان کے بارے میں وضاحت فرما دیں؟

سوال:

کوئی ایسا طریقہ بتا دیں کہ قرآن پاک کو پڑھ کر اس سے فیض حاصل کیا جا سکے؟

جواب:

قرآن پاک پڑھنے کے لیے ہے، جس طرح بتایا گیا ہے کہ Language، زبان کا جاننا، قرآن کریم کی زبان کا پہچاننا آپ پر لازمی ہے، فرض ہے، تو پھر اس کو اس کے ماحول میں، شانِ نزول کے ساتھ پہچاننا بھی آپ پر لازم ہے۔ گویا کہ جب آپ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں تو ساتھ ہی آپ سیرتِ پاک کا مطالعہ کر رہے ہیں کہ کون سی چیز، کس مقام پر، کس انداز سے اللہ کریم نے ارشاد فرمائی۔ پھر پرانی تاریخ، پرانی اُمتوں اور پیغمبروں کے واقعات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ اور پھر قرآن کو زندگی کے حوالے سے پہچاننا کہ اس میں کون کون سے رُخ بتائے جا رہے ہیں مثلاً کسبِ معاش ہے، انسانوں کے ساتھ لین دین ہے، آپ کی تنہائی ہے، محفل ہے، آپ کے اور آپ کے اعتقاد کے حصّے ہیں یعنی زندگی اور مابعد پر بھروسہ۔ پھر اس پہ آپ غور کریں کہ منشائے

ایزدی کیا ہے کہ قرآن بھیجا گیا اور پیغمبرؐ کو بھی۔ آپ لوگوں کو جب اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے تو یہ کافی تھا کہ کھیل کود کرو اور وقت گزار کے چلے جاؤ مگر آپ کی زندگی پر اللہ کا ایک Check ہے، محاسبہ ہے، آپ کو اطلاع ملتی ہے کہ فلاں کام ایسے کرنا ہے۔ آپ کہہ سکتے تھے کہ میں اپنی زندگی گزارلوں گا مگر اللہ کریم کا فرمان ہے کہ زندگی گزارنے کا طریقہ بھی میں بتاؤں گا۔ مگر وہ طریقہ خود نہیں بتایا بلکہ پیغمبروں کے ذریعے بتایا ہے یا اس کتاب کے ذریعے۔ اس لیے اس کتاب کو منشائے ایزدی کے طور پر، زندگی کے مفہوم کی داستان پہ غور کر کے اس کو حضور پاک ﷺ کی زندگی پر Apply کریں کہ انھوں نے اس کتاب کے حوالے سے زندگی کیسے بسر کر کے دکھائی تاکہ آپ لوگ بھی زندگی بسر کرنے کا شعور حاصل کریں۔

اگلی بات یہ دیکھنی چاہیے کہ حضور پاک ﷺ کی زندگی نزولِ قرآن سے پہلے بھی منشائے قرآن کے مطابق تھی۔ اب یہ کمال کی بات ہے۔ قرآن کا نزول تو ایک خاص مدت میں شروع ہوا اور آپؐ کی زندگی قبلِ نزول قرآن بھی منشائے قرآن کے عین مطابق ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ سچ بولو تو آپؐ نزولِ قرآن سے پہلے اور بعثت سے پہلے بھی صادق تھے۔ گویا کہ قرآن کا منشا اور قرآن فہمی کا جو انداز ہے وہ یہ ہے کہ قبل قرآن جو ہے وہ بھی منشائے قرآن ہونا چاہیے۔ اگر آپ کو یہ کام نہ آئے کہ آپ Willingly، اپنے آپ کو مکمل طور پر قرآن کے حوالے کر دیں تب تک آپ کو قرآن فہمی نہیں ہوگی۔ اس میں کوئی Sequence، نہیں ہے، جس طرح زندگی میں Sequence نہیں ہے، ترتیب نہیں ہے اور یہی اس کی شان ہے۔ جس طرح زندگی میں ترتیب نہیں ہے اسی طرح آپ کے شہروں میں نہیں ہے، گھروں میں نہیں ہے، لوگوں کی زندگی میں نہیں ہے، وجود میں نہیں

ہے، ادب میں نہیں ہے، ستاروں میں نہیں ہے، کہیں ستارے ہیں اور کہیں اتنا بڑا سورج آجاتا ہے۔ یہ جو بے ترتیبی ہے یہ کائنات کا حسن ہے۔ آپ کو بظاہر جو ترتیب کی کمی لگتی ہے یہ زندگی کا حسن ہے۔ اسی طرح آپ کو ایک بات بتائی جاتی ہے اور پھر ایک اور بات بتادی جاتی ہے۔ جب تک آپ کو مکمل اعتماد نہیں ہوگا آپ کو اس میں لطف نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ کسی امت کا حال بیان کر رہے ہوں گے اور پھر کہہ دیں گے کہ تم سچ بولا کرو۔ اسی طرح اللہ نے فرشتوں کو تعلیم دی کہ میرے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کرنا اور پھر حکم دے دیا کہ انسان کو سجدہ کرو۔ جس نے یہ Insist کیا، اصرار کیا کہ کل کو آپ کا اور حکم تھا اور آج اور ہے تو اس کو باہر نکال دیا گیا۔ تو کل کا حکم بھی اللہ کا تھا اور آج کا حکم بھی اس کا ہے، تُو کل کا حکم مان رہا ہے مگر آج کا حکم نہیں مان رہا، اس لیے تُو Get out ہو جا، باہر نکل جا۔ اس طرح وہ شیطان بن گیا۔ تو کل کا حکم دینے والا بھی اللہ ہے اور آج کا حکم دینے والا بھی اللہ ہے، وہ کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ سارا برحق ہے۔ Sequence، ترتیب تب ہو جب اللہ تعالیٰ کسی کے سامنے جواب دہ ہو، کوئی کہانی لکھنی ہو یا افسانہ لکھنا ہو جس کا سنٹرل آئیڈیا لکھنا ہو...... مگر ایک سنٹرل آئیڈیا تو ہے نہیں کیونکہ ہر آئیڈیا سنٹرل آئیڈیا ہے، ہر آیت پورا قرآن ہے یعنی کہ قرآن ایک ایسا علم ہے جس کا ہر پارہ مکمل قرآن ہے بلکہ قرآن کا ہر لفظ پورا قرآن ہے۔ اور پوری کتاب بھی قرآن ہے۔ تو قرآن کا ہر پارہ قرآن ہے، قرآن کا ہر لفظ قرآن ہے، اس کی ہر زبر قرآن ہے، ہر زیر قرآن ہے، اس کا منشا قرآن ہے اور جس پر نازل ہوا وہ بھی قرآن ہے۔ آپ نے اب اس کو پہچاننا

کیسے ہے؟

جب آپ اس کے قریب جائیں تو یہ بات ضروری ہے کہ اس پہ غور کریں کہ اس کتاب کو اللہ کریم نے بذریعہ وحی، بذریعہ جبریلِ امینؑ یا ڈائریکٹ، بہرحال اللہ کے پاس جو بھی سبب ہیں یا اسباب ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک سے آپ تک پہنچا۔ تو اس میں دو طاقتیں شامل ہو گئیں، اللہ بولنے والا اور زبان حضور پاک ﷺ کی۔ تو اس کا ہر لفظ اتنا پاکیزہ ہے کہ اللہ کا بولا ہوا یا بھیجا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا ہے، اس لفظ کے ایک ایک پہلو پہ اگر آپ غور کریں تو آپ کو سمجھ آ جائے گی اور فیض ملے گا۔ یہ ترجموں کے حوالے سے نہیں بلکہ فیض کے حوالے سے سمجھ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خود یہ کتاب آپ کو سمجھا دی ہے جیسا کہ کتاب کا منشا ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں شک شبہ نہ کرنا اور یہ مکمل ہے، اس کتاب میں ہدایت ہے آپ لوگوں کے لیے، بشرطیکہ آپ متقی ہوں۔ اب متقی ہونے کی شرط کو پہلے طے کرنا ہے، پورا کرنا ہے اور پھر قرآن سے فیض لینا ہے۔ متقی کی تعریف اللہ نے فرما دی ہے کہ وہ یومنون بالغیب: غیب پر ایمان رکھتے ہوں۔ ''غیب'' کا لفظ ہر انسان کی سمجھ کے مطابق اپنے معانی بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً آپ کا جو بچہ ہے وہ آپ کی منشا سے غافل ہے، آپ اپنی منشا اور اختیارات کو حاضر سمجھتے ہیں اور وہ آپ کی منشا اور اختیارات کو نہیں جانتا۔ تو اس کے لیے وہ غیب ہے اور آپ کے لیے وہ حاضر ہے۔ آپ کی جیب میں جو پیسہ ہے وہ فقیر کو معلوم نہیں ہے، وہ اس کے لیے غیب ہے اور آپ کے لیے حاضر ہے اور آپ کے علم میں موجود ہے۔ وہ پیسہ جو جیب میں، آپ کے علم میں ہے،

دوسرے کو نظر نہیں آرہا تو اس کے لیے غیب ہے۔ آپ کے لیے وہ غیب نہیں ہے بلکہ حاضر ہے، علم میں ہے۔ گویا کہ جو چیز علم میں ہو وہ مشاہدے میں ہو سکتی ہے، اگر یقین ہو آپ کا...... گویا کہ لطیف احساس بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے، یقینِ کامل بھی مشاہدہ بن سکتا ہے، اگر یقین کا علم ہو تب بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ کو یہ بتایا گیا کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں تو آپ کے لیے یہ حاضر بات ہے۔ جس نے یہ علم نہ سیکھا ہو اس کے لیے یہ مشکل ہے اور اس کے لیے یہ غیب ہے۔ ریاضی کا وہ علم جو آپ نے سیکھ لیا اور آپ کے دوست نے نہیں سیکھا اس کے لیے وہ غیب ہے اور آپ کے لیے وہ حاضر ہے، اس کے لیے غیب ہے اگرچہ علم موجود ہے۔ تو ایک آدمی کا حاضر دوسرے کا غیب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا غیب کیا ہے؟ لاعلمی کا نام۔ اور حاضر کیا ہوا؟ علم کا نام۔ جس چیز سے آپ غافل ہیں وہ آپ کا غیب ہے اور جس چیز سے آپ باخبر ہیں وہ آپ کا حاضر ہے۔ جس چیز پر آپ کا ایمان یقین کی حد تک اور مشاہدے کی حد تک ہے وہ آپ کا حاضر ہے۔ آپ جس بکرے کو قربانی کے لیے پالتے ہیں آپ جانتے ہیں کہ اس بیچارے کا مقدر کیا ہے اور اسے پتہ نہیں ہوتا کہ میرا مقدر کیا ہے۔ تو مقدر بھی آشنائی کی بات ہے۔ اگر آپ کو آشنائی ہو جائے کہ کسی کا مقدر کیا ہے تو آپ کے لیے وہ حاضر ہے۔ اور جس کو آشنائی نہ ہو اس کے لیے غیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار بتایا ہے کہ زندگی عارضی ہے یا فانی ہے، اب یہ بات آپ کے لیے غیب ہے لیکن اگر آپ کو کامل یقین آجاتا ہے کہ زندگی میں یہ یہ ہوگا، بڑے ہوں گے، نوکری کریں گے، پھر ریٹائر ہو جائیں اور پھر وہی ہوگا جو ہونا ہے یعنی کہ ہم نہیں ہوں گے۔ اگر اس حد تک یقین آگیا تو یہ مشاہدہ بن سکتا ہے۔ یہ انسان کے غیب کی بات ہے اور

انسانوں کا غیب درجہ بدرجہ معلوم کے درجے کے مطابق پھیلتا رہتا ہے۔ بعض اوقات آپ آگاہ نہیں ہوتے۔

فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

کائنات کے کارساز کا مکمل ارادہ کسی انسان کو معلوم نہیں ہے، وہ مکمل غیب ہے۔ لیکن اللہ کا اپنا غیب کوئی نہیں ہے۔ وہ عالم الغیب والشھادۃ ہے، غیب کو اور ظاہر کو جانتا ہے لیکن اس کا اپنا غیب کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خالق ہے اور خالق کی نسبت سے مخلوق میں سے کوئی چیز غیب نہیں ہے، رات کے اندھیروں میں سیاہ چٹانوں پر چھوٹی سی کالی چیونٹی جو کچھ کہہ رہی ہے اللہ اُسے بھی سنتا ہے کیونکہ اس کے لیے کچھ غیب نہیں ہے۔ تو اس کا کوئی غیب ہے ہی نہیں اور آپ کا غیب درجہ بدرجہ علم کے مطابق ہے۔ تو متقی کون ہوا؟ یومنون بالغیب : جو غیب پر ایمان لائے، درجہ بدرجہ پہچان کے مطابق۔ اور جو یقیمون الصلوٰۃ جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، پابند ہوتے ہیں، نماز کو اس کے آداب اور انداز کے مطابق قائم کرتے ہیں۔ اور وہ یؤتون الزکوٰۃ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ زکوٰۃ ایک مکمل ضابطہ ہے، کہ اتنے پیسے اتنے عرصے کے لیے ہوں تو اتنے پیسے واجب الادا ہیں بحقِ سرکارِ عالیہ مالکِ کائنات یعنی اللہ کے نام۔ اور بالاخرۃ ھم یوقنون : اپنی آخرت پہ یقین رکھتے ہیں، اپنی فوری عاقبت اور اپنی آخرت دونوں پہ یقین کرتے ہیں۔ تو دو طرح کی آخرت ہوگئی، ایک یہاں پر اور ایک یومِ آخرت کے وقت۔ آپ کے ان اعمال کا نتیجہ یا ان اعمال کی Judgement' فیصلے کا دن مقرر ہے، اس دن آپ اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائیں گے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہم تمہیں ایک ایسے دن کا بتاتے ہیں۔ یوم ینظر المرء ماقدمت

یــدہ اس دن انسان دیکھ لے گا جو کچھ اس کے ہاتھ نے بھیجا اور اس وقت کافر کہے گا ویقول الکفر یلیتنی کنت ترابا کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔ وہ ایسا بھاری دن ہوگا۔ کافر کہے گا کہ آج کے دن اگر یہ محاسبہ ہونا تھا، حساب کتاب ہونا تھا تو کاش میں مٹی ہوتا اور انسان نہ ہوتا کیونکہ اب میں جواب دہی میں آ گیا۔ وہ ایسا وقت ہے جسے سخت وقت کہتے ہیں اور یہ آخرت کا دن ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ آخرت پر ایمان رکھنے والے، نماز ادا کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے، غیب کو ماننے والے اور جو کچھ آپؐ پر نازل ہوا اس کو ماننے والے، جو آپؐ سے پہلے نازل ہوا اس کو ماننے والے، یقین کے ساتھ اور اعتماد کے ساتھ..... تو یہ تو ہو گئیں متقی کی ابتدائی صفات۔ ابھی وہ متقی ہے، اس کے پاس علم نہیں ہے، ہدایت نہیں ہے اور ہدایت تو اب ملے گی۔ تو یہ قرآن متقی کو ہدایت دیتا ہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ کافر بھی ہو اور قرآن کو مانتا ہو، ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ کافروں نے حضور پاک ﷺ کی شان میں کتابوں میں لکھا..... اور اسلام سے پہلے زکوٰۃ بھی ہے، نماز بھی ہے، الہام بھی ہے، کتابیں بھی ہیں، صحیفے بھی ہیں، بائیبل بھی ہے لیکن جب تک ہدایت کے سرچشمہ قرآن پاک سے ہدایت نہ ہو تو ہدایت نہیں ہے۔ تو اعتقاد والے کو قرآن پاک سے ہدایت ملے گی۔ کوئی مسلمان کب ہوگا؟ جب وہ قرآن سے ہدایت یافتہ ہو جائے۔ تو ہدایت کا کورس یہ ہے۔ تو یہ ہے قرآن پاک کے فہم کی اصل بات۔ اور جب آپ اللہ کریم کے مزاج سے آشنا ہو گئے، کہ وہ رات سے دن پیدا کرتا ہے اور دن سے رات پیدا کرتا ہے تو جب تک آپ رات کو اتنا پسند نہ کرو جتنا دن کو پسند کرتے ہو تو آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آئے گی۔ اس کے لیے اللہ نے حکم فرمایا کہ یہ بات اپنے ذہن میں یاد رکھا کرو کہ ربنا ما خلقت

ھذا باطلا اے ہمارے رب تو نے کوئی چیز باطل تخلیق نہیں کی۔ یہ جو کچھ ہے باطل نہیں ہے، یہ جو کچھ ہے حق ہے اور عین برحق ہے اور سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ اس کائنات میں باطل کچھ ہے ہی نہیں۔ تو خالق کے حوالے سے تخلیق کا ہر شعبہ برحق ہے۔ اللہ کا حکم جب ہو جائے تو وہ چیز حلال ہے اور حکم عدولی والی چیز حرام ہے، ورنہ باقی حلال حرام کچھ بھی نہیں ہے۔ یعنی اگر اللہ کہے کہ یہ حکم ہے کہ آپ ایسا نہ کرنا اور آپ کر گئے تو یہ حرام ہے۔ پھر گناہ کیا ہوا؟ منشائے ایزدی کے علاوہ کام گناہ ہے، ہر وہ عمل گناہ ہے جو مالک کو ناپسند ہو چاہے وہ ریاکاری کی عبادت ہی ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اپنی زندگی کو اللہ کی پسند کے مطابق ڈھالنا ہے۔ یہ کب ہو سکتا ہے؟ جب آپ اپنی زندگی میں سے اپنی پسند نکالو۔ اپنی زندگی میں سے جب تک اپنی پسند نہ نکالو تو اس زندگی سے نکلنا مشکل ہوگا۔ اس زندگی کو اللہ کی پسند کے مطابق گزارو تو آپ کے لیے رہنا بھی آسان ہے اور آپ کے لیے جانا بھی آسان ہے۔ اگر وہ کہے کہ زندہ رہو تو آپ زندہ رہو اور وہ کہے کہ واپس آجاؤ تو پھر واپس ہو جاؤ۔ تو وہ زندگی اللہ کی پسند کی تھی، اس نے جب تک ہمارے لیے پسند کیا ٹھیک تھا۔ جو کچھ اس نے پسند کیا ہمیں وہ پسند ہے اور جو کچھ اللہ کو پسند نہیں ہے ہم اس پسند سے توبہ کرتے ہیں۔ ہم توبہ کرتے ہیں ان دعاؤں سے جو تیری بارگاہ میں قبولیت حاصل نہیں کر سکتیں۔ ہم اس خواہش سے توبہ کرتے ہیں جو تجھے ہمارے لیے پسند نہیں ہے۔ جب یہ باتیں سمجھ آجائیں تو پھر آپ قرآن فہمی کی طرف جائیں۔ ایک بات یاد رکھنا کہ اس شخص کو قرآن سمجھ نہیں آسکتا جو اللہ سے پوچھنے لگ جائے کہ تو نے یہ کیوں کیا، بل ھم یُسئلون بلکہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ قرآن پڑھتے وقت

تمہیں لگے گا کہ اللہ نے ایک بات کی ہے اور پھر دوسری اس کے برعکس کی ہے،
اللہ یتیم کو پیدا کرتا ہے اور تمہیں کہتا ہے کہ پیسے سے اس کی مدد کرو اور خود یتیم کی
مدد نہیں کرتا اور یہ کرتا کہ اسے یتیم ہی نہ کرتا۔ مگر وہ یتیم کر دے گا اور تمہیں کہے گا
کہ تم اس کی مدد کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سب کو پیسہ دینے والا ہے اور تمہیں کہتا
ہے واقرض اللہ قرضا حسنا یعنی تم اللہ کو قرض دے دو، پیسہ دے دو۔ اب
اللہ کو قرضے کی کیا ضرورت ہے۔ تو وہ دیتا بھی آپ ہے اور مانگتا بھی آپ ہے۔
اب یہ ایسا کھیل ہے کہ اس کو آپ یقین کے ساتھ دیکھیں گے تو یہ آسان ہو جائے
گا۔ وہ جو چاہے کرے، جیسا کرے، وہ خالقِ کائنات ہے، چاہے تو پیسہ دے
دے، چاہے تو یتیموں کو اور غریبوں کو پیغمبر بنا دے اور چاہے تو بادشاہ کو برباد
کر دے، محروم کر دے، چاہے تو ابلیس کو شیطان بنا کے باہر نکال دے۔ آپ نے
اللہ تعالیٰ کے کام میں کبھی دخل نہیں دینا۔ جیسا اللہ نے فرمایا ہے آپ مانتے چلے
جائیں یعنی اللہ کا جو بھی فرمان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپؐ سے پوچھتے
ہیں اس خبر کے بارے میں جس میں ان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ مانتے
ہیں کہ آخرت ہوگی، کچھ مانتے ہیں کہ آخرت نہیں ہوگی۔ تو جب حضور پاک ﷺ
سے پوچھا گیا کہ وہ آخرت کا واقعہ کب ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔
عم یتساء لون عن النبا العظیم اس عظیم خبر کے بارے میں یہ پوچھتے ہیں هم
فیه مختلفون جس کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔ کیا میں نے آسمان پیدا
نہیں کیا؟ کیا میں نے پہاڑ کو میخوں کی طرح نہیں گاڑا؟ کیا میں نے زمین بچھونا
نہیں بنائی...... سوال آخرت کے بارے میں تھا اور فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ادھر دیکھو
یہ پہاڑ ہیں، یہ میدان ہیں، یہ سمندر ہے، پھر تمہیں ہم نے ازواج میں بنایا...... تو

جواب مکمل ہو گیا۔ مگر سوال تو آخرت کے بارے میں تھا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ تم یہ دیکھو کہ جب یہ ساری چیزیں بنانا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے تو پھر باقی ہمارے لیے کیا دقت ہے۔ یہ دیکھو کہ میں کر کیا رہا ہوں...... کبھی اللہ نے فرمایا کہ اونٹ کو دیکھو کہ اس کی تخلیق کیسے ہوئی ہے، تمہیں تو بات سمجھ نہیں آ رہی، تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں دوبارہ زندہ کرنے پر کیسے قادر ہوں تو یہ سب سے پہلی بار کیسے بنا لیا تھا؟ میں جو چیز پہلی دفعہ کر سکتا ہوں وہ دوبارہ بھی کر سکتا ہوں...... کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ بہار میں باغ لہلہاتے ہیں، پھر ہوا آ جاتی ہے، خزاں آ جاتی ہے، باغ مرجھا جاتے ہیں، پھر ایک بار بہار کی ہوا آتی ہے اور سب کھل جاتے ہیں...... تو میرے لیے کیا مشکل ہے۔ آپ لوگ دن میں چہکتے رہتے ہو، رات کو سو جاتے ہو اور صبح پھر بہار آ جاتی ہے۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا ایسے ہے جیسے سو کر اٹھنا، یہ اللہ کے لیے کیا مشکل ہے۔ تو آپ یقین کے ساتھ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اب بھی، Even Now زندگی سے موت اور موت سے زندگی پیدا کرتا رہتا ہے، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا رہتا ہے، رات سے دن اور دن سے رات آج بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بات کو سمجھنے کے لیے، قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے بڑے ادب کی ضرورت ہے۔ اور اس میں ایک بڑی ضروری بات ہے کہ سارا قرآن آپ کے لیے نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے منافق کو سزا دینی ہے تو یہ بات آپ کے لیے نہیں ہے کیونکہ آپ منافق نہیں ہیں اور یہ اطلاع تو منافق کو دی جا رہی ہے کہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ پھر یہ کہ کافروں کو ہم نے سزا دینی ہے، ایک کھولتی ہوئی آگ ان کا انتظار کر رہی ہے۔ تو کیا یہ فرمان آپ کے لیے ہے؟ نہیں۔ اس سے آپ کا کیا تعلق۔ مومنوں کو کہیں

نہیں کہا گیا کہ تم دوزخ میں جاؤ گے۔ تو قرآنِ کریم کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے
کہ آپ پہلے اپنا ایک نام رکھیں کہ آپ کون ہیں۔ اگر کوئی منافق ہو کے قرآن
کریم کو پڑھے گا تو اس کے لیے سزا آنے والی ہے، اگر کافر ہو کے پڑھ رہا ہے تو
اس کے لیے عذاب تیار ہے۔ اگر کوئی مومن ہو کے پڑھ رہا ہے تو اس کے لیے تو
بشارتیں ہیں۔ تو آپ پہچان لیں کہ کس کے لیے کیا چیز ہے۔ آپ یہ کرتے ہیں
کہ ہوتے مومن ہیں اور کافروں کا عذاب پڑھ کے آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
قرآن میں بڑی سزا لکھی ہوئی ہے۔ یہ سزا آپ کے لیے تو نہیں ہے، مومن کے
لیے تو کہیں سزا نہیں لکھی ہوئی۔ اگر کسی منافق کے لیے سزا لکھی ہوئی ہو تو آپ کا
اس بات سے کیا تعلق ہے۔ اگر پہلی قوموں کا واقعہ لکھا ہوا ہے کہ انہوں نے
پیغمبروں کے ساتھ وفا نہ کی تو اُنھیں ایک آواز کے ساتھ ختم کر دیا تو آپ تو پیغمبرؐ
کے ساتھ وفا کر رہے ہیں، اگر نہیں کر رہے تو وفا کرو۔ تو قرآن پاک کو پڑھنے
سے پہلے اپنا نام رکھ لو کہ آپ کون ہیں؟ اگر آپ مومن ہیں تو مومنوں والی بات
پڑھنا اور جو کافروں کے لیے لکھی ہوئی ہے وہ آپ پڑھ تو لینا لیکن وہ حکم آپ کے
لیے نہیں ہے، منافق کی بات آپ کے لیے نہیں، پرانی امتوں کی سزا کا تعلق آپ
کے ساتھ نہیں ہے۔ آپ کے لیے کیا حکم ہے؟ کہ مومن قرآن پڑھ رہا ہے اور
مومن بتائے کہ اس کے لیے اللہ کا کیا حکم ہے، اس کے لیے ایمان کی باتیں ہیں،
اس کے لیے بشارت ہے، اس کے لیے حکم ہے کہ هم فيها خلدون وہ ہمیشہ
جنت میں رہے تحت الانهار جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ان کے لیے
حور مقصورات فی الخیام خیموں میں پوشیدہ حوریں ہیں اور وہ ساری نعمتیں
ہیں جو سورۂ رحمٰن میں ہیں اور جنہیں آپ جھٹلا نا نہیں۔ تو مومن کے لیے بشارت

ہی بشارت ہے۔ آپ مومن ہو کے قرآن پڑھتے ہیں لیکن اُسے پڑھ کے اداس ہو جاتے ہیں۔ یہ آپ کے لیے بڑی ہی افسوس ناک بات ہے۔ تو آپ نے قرآن پاک کو اس انداز سے پڑھنا ہے کہ اس میں آپ کے لیے کیا لکھا ہے......

قرآن پاک میں، فیہ ذکر کم، اس میں کہیں نہ کہیں آپ کا تذکرہ ہوگا۔ اب اس میں راز کی بات یہ ہے، فقراء نے بتایا ہے کہ اگر آپ اپنے آپ کو قرآن کے حوالے کریں تو اللہ تعالیٰ کا کلام جو تعلیل میں ہے وہ کسی وقت بھی آواز میں آجائے گا۔ یعنی کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں، جب تک پڑھتے جا رہے ہیں یہ نظر آتا جا رہا ہے، اللہ جو کہ قرآن بھیجنے والا ہے وہ حاضر ہے اور موجود ہے، جس ذات پر یہ کلام نازل ہوا ہو

جس ذاتؐ پر نزولِ کلامِ مجید ہو
وہ ذاتؐ کم نہیں ہے مقدس کتاب سے

تو وہ ذاتؐ بھی موجود ہے، آپ بھی موجود ہیں۔ اب دعا کرو یا اللہ اس کلام سے آواز بھی آنی چاہیے۔ اگر آپ اپنے آپ کو قرآن کے حوالے کریں تو کوئی نہ کوئی آیت ایسی ہوگی جو آپ کی زندگی کے لیے پورا فرمان ہوگا اور وہ آیت نمایاں ہوئے آپ کے لیے آجائے گی اور وہ آپ کو گائیڈ لائن مہیا کرے گی۔ یہ کسی فال کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کی بات ہے، اللہ بہتر جانتا ہے، کوئی زندگی قرآن پاک کے حکم سے باہر نہیں ہوسکتی، کوئی زندگی ایسی نہیں ہے جس کو قرآن پاک سے گائیڈ لائن نہ ملے۔

اگر آپ مصنف ہوتے تو جو آپ کی کتاب پڑھتا آپ اس سے خوش ہو جاتے، اسی طرح اگر آپ کہیں پردیس میں جاتے اور کسی کو دیکھتے کہ وہ آپ کی

کتاب پڑھ رہا ہے تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی جب آپ اللہ کی کتاب پڑھتے تو اللہ تو حاضر ناظر اور موجود ہے، اگر وہ کسی وقت جواب دے دے تو کیا بعید ہے۔ یہ اُس وقت ہوسکتا ہے جب آپ ادب میں ہوں، اگر بتانے کے لیے ادب کرو گے تو نہیں ہوگا اور اگر سمجھ کر کرو گے تو ٹھیک ہے۔ اللہ کا قرب کیسے محسوس ہوگا؟ جب قرآن پڑھتے پڑھتے آپ پر رقت طاری ہو جائے، آنسو آ جائیں، پھر یہ سمجھنا کہ کوئی واقعہ ہو گیا ہے۔ قرآنِ پاک پڑھتے پڑھتے اگر کوئی مشاہدہ کھل جائے تو سمجھو کہ بات بن گئی۔ اگر قرآن پڑھتے وقت کوئی بزرگ آ جائے اور کہے کہ زیر زبر یوں پڑھو، پھر نیت کی بھی اصلاح کر جائے تو سمجھو مہربانی ہوگئی۔ تو قرآن پاک تلفظ کی بھی اصلاح کرتا ہے اور نیت کی بھی لیکن نیت جو ہے وہ تلفظ سے زیادہ اہم ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمیں اطلاع ملی کہ کسی بستی میں ایک درویش کامل ہے تو ہم نے سوچا کہ اس درویشِ کامل کا Visit کیا جائے۔ تو وہاں گئے۔ فجر کا وقت تھا، وہ کامل درویش خود ہی جماعت کرا رہے تھے تو انہوں نے تلاوت کے دوران زبر زیر اور مخرج صحیح ادا نہ کیا۔ انہیں لگا کہ تلاوت کے دوران جو مخرج ہونا چاہیے، وہ صحیح نہیں ہے اور انہوں نے الگ نماز پڑھ لی۔ سلام دعا کیا اور پھر واپس آ گئے۔ راستے میں ایک شیر آ گیا۔ اتنے میں وہی درویش ہاتھ میں چھڑی لے کے آئے اور شیر کو کہا کہ بھاگ جاؤ، کیوں ہمارے مہمانوں کو ڈراتے ہو۔ شیر بھاگ گیا۔ تو داتا صاحبؒ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا اور کہا کہ سرکار یہ شیر تو جنگل کا بادشاہ ہے اور آپ کا کہا اس طرح مانا جس طرح کوئی بلی کتا ہو، یہ کیسے ہوا؟ وہ فرمانے لگے تو تلفظ ٹھیک کر، تجھے بات سمجھ نہیں آئے گی۔ تو بات نیت کی ہے

اور بات اعتقاد کی ہے اور بات اُن کے کرم کی ہے۔ یہ بحث کی بات نہیں اور جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ تو راز یہ ہے کہ اگر کوئی پڑھائے تو پھر انسان پڑھتا ہے۔

کلمہ پیر پڑھایا باہُو تے میں سدا سہاگن ہوئی

تو اگر کوئی پڑھائے گا تو پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی۔ قرآن مجید پڑھنے کا اصل وقت قبل طلوع الشمس ہے۔ سورج نکلنے سے پہلے، تہجد کی نماز کے بعد اور فجر سے پہلے اگر آپ اس کو پڑھو تو قرآن فہمی آسان ہو جاتی ہے۔ یہ اس کے پڑھنے کا طریقہ ہے۔ باوضو ہو کے پڑھنا چاہیے۔ اگر ایک آیت کو آپ پڑھتے جائیں، پڑھتے جائیں تو بیس دن کے بعد اس کے معانی بدل جائیں گے، ایک ہی آیت اور طرح سمجھ آنا شروع ہو جائے گی۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ دس سال کے بعد اس کا پورا معنٰی سمجھ آ جائے۔ تو کوئی ایک آیت کو آپ جتنا پھیلاتے جائیں وہ پھیلتی جائے گی، کیونکہ یہ قرآن ہے، اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کا کلام اپنی تفسیر اپنے اندر خود رکھتا ہے اس لیے آپ کو کسی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ عربی جاننے والے نہیں ہیں کیونکہ آپ کو اس نے ادھر پیدا کیا ہے۔ تو آپ قرآن کو پڑھو، غور سے پڑھو، ادب سے پڑھو، اور ادب سے پڑھو...... پھر آپ کو اس کے معانی سمجھ آنے شروع ہو جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو بھی ہم جانتے ہیں جنہیں کسی نے قرآن نہیں پڑھایا اور وہ عربی زبان نہیں جانتے تھے مگر وہ انگلی رکھ کے پڑھتے جاتے " بسم اللہ الرحمن الرحیم سچا کلام سچے اللہ کا اور اس میں جو کچھ ہے سچ ہے، جو کچھ اللہ نے فرمایا وہ سچ ہے، جو کچھ اس کے نبی پاک ﷺ نے فرمایا وہ سچ ہے"۔ وہ اس طرح پڑھتے جاتے ہیں

اور پھر ان پر قرآنِ پاک کے معانی آشکار ہو جاتے ہیں اور Language آشکار ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جو چاہے وہ کرتا ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھو، وہ چاہے تو آپ کو عربی دان بنادے اور چاہے تو آپ کو فارسی بھول جائے۔ اس لیے یہ بات یاد رکھنا کہ اللہ ہی مالک ہے۔ علم پر بھروسہ نہ کرنا، کاریگری نہ کرنا، پوری طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھو تو آپ کو ساری بات سمجھ آجائے گی، راز سمجھ آجائے گا۔ تو آپ قرآن کے پاس معصومیت کے ساتھ جاؤ، قرآن پاک پڑھنے کی دوسری شرائط پوری کرو اور حضور پاک ﷺ پر بھروسہ اور اعتماد رکھو۔ پھر ساری بات سمجھ آجائے گی۔

سوال:

اس راستے میں یقین کی کیا اہمیت ہے؟

جواب:

اگر ایک آدمی کو یقین ہو کہ وہ سچا ہے تو اس کے ذہن میں کسی کام کو کرنے کا ایک راستہ آجاتا ہے جو پہلے اُسے معلوم نہیں تھا۔ تو اس سچے آدمی کو یقین کرنا چاہیے کہ اس راستے کا نام کامیابی ہے ورنہ تو اس کے اندر تذبذب پیدا ہو جائے گا۔ دنیا میں کتنے ہی لوگوں نے کئی نئی باتیں دریافت کی ہیں جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں۔

سوال:

کافروں نے قیامت کے دن کہنا ہے کاش ہم مٹی ہوتے مگر مٹی کی تو کئی خصوصیات ہیں۔

جواب:

یہاں پر ''مٹی ہونے'' کا مطلب اور ہے، ''مٹی ہو جانا'' ایک محاورہ ہے۔ جیسے یہ کہتے ہیں کہ تیری کمائی مٹی ہو جائے۔ مٹی میں پھول کھلتے ہیں، مٹی میں ہیرے ہوتے ہیں، جواہر ہوتے ہیں، یاقوت ہوتے ہیں، اس میں تیل ہوتا ہے، پٹرولیم والی چیزیں ہوتی ہیں۔ تو ''مٹی ہونا'' محاورہ بھی ہے۔ اور کافروں نے کہنا ہے ویقول الکفر یلیتنی کنت ترابا کہ کاش ہم انسان کی بجائے مٹی ہوتے۔ یہ بے شعور لوگ اس وقت کہیں گے۔ یہ پروڈکشن کی بات نہیں ہے، یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین اور مٹی پالنے والی ہے۔ تو یہاں پر کافروں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کاش ہم انسان کی بجائے مٹی ہوتے۔ تو یہ اللہ کی کافروں سے بات ہو رہی ہے۔ یہاں پر آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے۔ آپ اپنے لیے آسانیاں پیدا کریں۔ تو میں یہ بتا رہا تھا کہ آپ اپنا نام رکھیں۔ اور آپ تو مومن ہیں، اب آپ کے لیے قرآنِ پاک میں کیا حکم ہے؟ آپ بحث اور مناظرہ نہ کرنا۔ یہاں پر کافر مٹی ہونے کی جو تمنا کر رہے ہیں وہ اس لیے کہ گرفت میں آئے ہوئے انسان سے وہ مٹی بہتر ہے جو پکڑ میں نہیں ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ تب مومنوں کی کیا حالت ہوگی اور مومنوں کے لیے کیا سفر ہوگا، جب کافر جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے تو مومن کدھر جا رہا ہوگا۔ اگر آپ کے اندر کافروں کے حالات دیکھ کر اندیشہ پیدا ہو رہا ہے تو پھر آپ کو مومن ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔

جنت اور دوزخ کا علم یہاں اسی دنیا میں دیا جا رہا ہے، ابھی تو زندگی چل رہی ہے، جنت اور دوزخ تو تب ہوگی۔ اگر یہ آج بتایا جا رہا ہے تو اس لیے ہے تاکہ کافروں میں دوزخ کا Fear خوف پیدا ہو جائے اور مومنوں میں جنت

کی خوشی پیدا ہو جائے۔ مگر آپ ایسے مومن ہیں کہ آپ میں جنت کی خوشی پیدا نہیں ہوئی۔ جنت میں جانے کے لیے اس زندگی میں اطلاع دینے کا مطلب یہ ہے کہ آج سے آپ خوشی کا سفر طے کرو۔ آپ تو زندگی Fear میں اور ڈر میں گزارتے ہیں اور جانا چاہتے ہیں جنت میں۔ ایسے لوگ جنت میں جا کر کہہ سکتے ہیں کہ یہاں پر تو کوئی Fear خوف نہیں ہے حالانکہ ہم تو عادی ہیں ڈر کے اندر رہنے کے، ہم تو عادی ہیں لوگوں کا گلہ کرنے کے، ہم تو عادی ہیں اللہ کا گلہ کرنے کے..... مگر وہاں تو کوئی گلہ نہیں ہوگا اور محبت ہی ہوگی۔ آپ جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر جنت کے مسافر ہیں تو یہ اسی طرح ہے جیسے حج پہ جانے والا جانے سے پہلے حاجی ہو جاتا ہے۔ لوگ جا کے ان سے ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ میرا اسلام بھی کہنا۔ تو حاجی کا ادب حج کے پروگرام سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اور آپ جنتی ہیں مگر آپ کے اندر جنت وارد نہیں ہو رہی۔ یہاں پر پھر آپ ان بزرگوں کی شان دیکھو جنھوں نے زندگی میں ہی بہشتی دروازہ کھول دیا۔

حقیقت کا علم ایسا ہے کہ ایک علم کے بعد دوسرا علم جب آتا ہے تو حقیقت کی نفی ہو جاتی ہے۔ آپ صرف ایک سفر کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم کماؤ اور کھاؤ، محنت کے مطابق تمہیں ملے گا الا ماسعٰی کا مطلب یہ ہے کہ جو محنت کرو گے اس کے مطابق تمہیں ملے گا۔ ایک اور جگہ اللہ کا فرمان ہے کہ وترزق من تشاء بغیر حساب اور ہم حساب کے بغیر جسے چاہیں رزق دیتے ہیں۔ تو یہ دونوں فرمان اللہ کے ہیں۔ آپ اپنا فیصلہ کریں کہ آپ کا یقین کیا ہے اور آپ کیا بات مانتے ہیں۔ اگر آپ ''بے حساب دینے والے'' کو مانتے ہیں تو یہ وہ جانے کہ محنت والوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اور آپ جب ان دونوں

باتوں کا علم رکھتے ہیں تو بے عمل ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کے پاس ''محنت کا'' اور ''بے حساب'' دونوں کا علم ہو تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ بے عمل ہو کے بیٹھ جاتے ہیں، کبھی کہتے ہو یا اللہ دعا کے ذریعے دے دے اور کبھی کہتے ہو یا اللہ عمل کے ساتھ دے دینا۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ آپ دعا کرتے ہیں اور کبھی عمل کرتے ہیں اور پریشان حال ہو جاتے ہیں۔ اگر دعا کی بات ہے تو پھر آپ دعا ہی کرتے جانا کہ یا اللہ دینا ہے تو پھر دعا سے ہی دے کیونکہ ہم نے کام نہیں کرنا۔ پھر چھوڑ کے دیکھو...... اور دیکھا جائے گا۔ پھر مرنے سے پہلے آپ کی دعا منظور ہو جائے گی۔ مگر آپ کا حال تو یہ ہے کہ اگر آج کسی کو آتشِ نمرود میں جانا پڑے اور پھر آتش میں جانے کے بعد گلزار مل جائے تو وہ پھر پوچھے گا کہ مجھے آگ میں دھکا کس نے دیا تھا...... کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا۔ تو آج کا آدمی جو ہے وہ Reluctant ہے۔ آپ یقین کے ساتھ بتائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ جنت میں جائیں گے تو آپ آج کیسے خوشی نہیں منائیں گے۔ جس بچے کو امتحان کے وقت یقین ہو جائے کہ اس نے پاس ہونا ہے تو آج ہی دعوت کر دے گا۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ کو جنت جانے کا یقین ہے مگر جنتی جیسی صفات پیدا نہیں کر رہے۔ جس کو یہ پتہ چل جائے کہ کل اُسے منسٹر بنایا جائے گا تو وہ آج ہی اچکن سِلوا لے گا۔ آپ نے جانا تو جنت میں ہے مگر آپ کے حالات جنت والے نہیں لگ رہے، آپ کی عادتیں وہ نہیں ہیں۔ آخر کیوں نہیں ہیں؟ کیا آپ کو شک ہے۔ خوف اور اُمید کے درمیان جو ایمان کی بات ہے تو وہ جس کو کہی گئی ہے وہ اسے یاد رکھے۔ اس سے ایمان Stable ہوتا ہے، قائم ہوتا ہے۔ اگر آپ کو جنت میں جانے کا یقین ہو جائے تو آپ پر آج سے ہی، کیفیت وارد ہو

جائے گی۔ مگر آپ کو یقین نہیں ہو رہا۔ آپ کو ایک عمل پر ٹھہرنے کا یقین نہیں ہے۔ اگر آپ ایک عمل پر ٹھہر گئے تو پھر آپ کو ایک نتیجہ مل جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے اتنا یقین ہوتا تھا کہ ایک غریب آدمی اپنی غریبی میں بھی خوش رہتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم کامیاب ہیں۔ اور دولت منداپنی دولت کے باوجود گھبرائے رہے، انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں ناکامی نہ ہو جائے۔ بادشاہ تخت پہ بیٹھا ہوتا ہے مگر سسکیاں بھرتا رہتا ہے کیونکہ اسے اندیشہ ہوتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اندیشہ نکل گیا تو یہ بہشت ہے، اگر امید پیدا ہوگئی تو یہ بہشت ہے۔ گویا کہ مومن کون ہوا؟ جس کے دل میں اس کی رحمت کی امید پیدا ہو جائے وہ مومن ہے اور جس کے دل میں اس کے غضب کا خوف آجاتا ہے اس کے اپنے ایمان میں نقص ہے کیونکہ ایسے شخص نے کچھ Foul Play کیا ہوا ہوگا اور وہ سوچتا ہے کہ یہ سب ظاہر ہو گیا تو پھر کیا بنے گا۔ تو ایسی فائل کو توبہ کر کے جلا دو۔ اس سے پہلے کہ آڈٹ ہو، ایسی فائل کو دریا بُرد کر دو، اللہ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لو۔ یہ بات یاد رکھنا کہ توبہ کرنی ہے، ان کوتاہیوں پر توبہ، ان غلطیوں پر توبہ جن کے پکڑے جانے کا اندیشہ ہو۔ اگر آپ نے دل سے توبہ کر لی ہے، آئندہ یہ حرکت نہیں کرنی ہے تو آج سے آپ کے دل میں خوشی پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ جنت میں جانے والے ہیں اور آپ کا ساتھی بھی جنت میں جانے والا ہے تو دونوں مل کے رہو، جھگڑا نہ کرو۔ اگر دو بھائی ہوں ایک نیک ہو اور دوسرا بد ہو تو نیک اُسے کہتا ہے تو نے پکڑے جانا ہے، گرفتار ہو جانا ہے، جنت میں نہیں جاؤ گے۔ گویا کہ وہ جنت کیا ہوگی جس میں دوزخ سے آپ کو فریاد آجائے۔ آج کل تو لوگ یہی چاہتے کہ خود جنت میں جائیں اور پڑوسی بھائی دوزخ میں جائے۔ جو آپ

کے ساتھ نماز پڑھنے نہیں جاتا تو آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ دوزخ میں جائے گا اور آپ کی وہ جنت کیا ہو گی جس میں آپ کے رشتے دار نہیں ہوں گے۔ وہ جنت بے کیف ہو گی۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری عبادت کا ثواب ان رشتہ داروں کو بھی دے جنھوں نے عبادت نہیں کی ہے؟ کیا آپ وہ Handover کر سکتے ہیں؟ اس طرح اکٹھے ہو جاؤ۔ جب تک آپ یہ ایثار نہیں کریں گے آپ کو جنت کی بات سمجھ نہیں آئے گی۔ عبادت کا فخر کرنے والا شاید عاقبت سے محروم ہو جائے۔ گناہوں پر ندامت کرنے والا ہو سکتا ہے کہ بخشا جائے۔ تو گناہوں پر نادم بہت بہتر ہے اس عابد سے جو عبادت پر فخر کرتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے والی ہے۔

اب اور سوال کرو...... بولیں......

سوال:

سر! فانی اور باقی کی پہچان کے بارے میں وضاحت فرما دیں.

جواب:

پہلے آپ یقین کے ساتھ دل میں یہ بٹھا لیں کہ کل من علیھا فان یعنی یہاں پر جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔ تو پہلے فنا کے باب کو پہچان لو پھر آپ کو ذوالجلٰل والاکرام کی بات سمجھ آئے گی۔ یعنی کہ اپنا ہونا، اپنی اشیاء کا ہونا، اپنے گردو پیش کا ہونا بلکہ ہر چیز کا ہونا فانی ہے۔ پھر ذوالجلٰل والاکرام کا لفظ آتا ہے۔ اب یہ قرآن پاک کا راز ہے کہ جس انداز میں جو Word بھی Set ہے وہ ایک جگہ استعمال ہوا ہے تو اس کا رزلٹ یا نتیجہ دوسری جگہ پر اسی Set of words میں، اسی انداز کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ کل من علیھا فان و یبقٰی

وجہ ربک ذوالجلل والاکرام یعنی یہاں پر ہر شے فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ باقی ہے جو جلال اور اکرام والی ذات ہے۔ اس کا تعلق فنا کی پہچان سے ہے۔ اگر آپ فنا کی پہچان کرلیں تو پھر آپ کو ذوالجلال والاکرام کی بات پوری طرح سمجھ آئے گی۔ گویا کہ کسی فانی چیز سے محبت نہ کرنا، یہ ہے اس کا راز۔ تو محبت جو ہے وہ باقی سے ہو اور فانی سے نہ ہو۔ فانی ہر وہ چیز ہوتی ہے جو یہاں رہ جائے۔ فانی کی تعریف یہ ہے کہ جس کی تاریخ پیدائش ہو اور تاریخ وصال ہو، اس کو حادث یا فانی کہیں گے۔ قدیم وہ ہے جو ہر آغاز سے پہلے ہو اور ہر انجام کے بعد ہو۔ تو اُسے قدیم کہیں گے۔ قدیم کی محبت جو ہے یہ فانی کی پہچان سے ہوتی ہے۔ ہر شے کو فنا ہے، ہر چیز فانی ہے، اللہ کے ارشادات یہی ہیں کہ یہاں دنیا میں جو کچھ ہے، جس انداز سے ہے، ایک وقت معینہ کے بعد اسے بُلا لیا جائے گا، انا للہ وانا الیہ راجعون یہاں سے جانا ہی ہوگا۔ اور اگر کچھ رہے گا تو اس ذاتِ بابرکت کا جلوہ، اس کا چہرہ، اس کا مقام...... اس کو پہچاننا ہے۔ اس میں جو رموز ہیں یا راز ہیں وہ الگ بات ہے کہ فانی کیا ہوتا ہے، باقی کیا ہوتا ہے، ان کے درجے کیا ہوتے ہیں، قُدوم کیا ہے، قِدم کیا ہے، حدوث کیا ہے، حدوث میں پابند کون ہے، حادث و فانی کون ہے، اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے۔ تو کیا قدیم کی محبت پابند ہوسکتی ہے فانی ہوسکتی ہے؟ اللہ کی محبت بھی قدیم ہے تو اللہ کے محبوب ﷺ بھی قدیم ہیں۔ یہ الگ کہانی ہے کہ اللہ کی محبت کب سے شروع ہوئی ہے، کیا پیدا کرنے کے بعد شروع ہوئی ہے، کیا پیدا کرنے سے پہلے شروع ہوئی ہے، یہ الگ راز ہیں اور الگ کہانیاں ہیں۔

ہے قِدم حدوث سے ماورا تو قِدم حدوث کا ہے گماں

ہے قِدم کا جلوہ حدوث میں تو قِدم حدوث کی ضِد کہاں

یعنی اگر قدیم اس فانی سے بہت ہی دور ہے تو پھر تو وہ ہمارا اپنا گمان ہی ہے، پتہ نہیں وہ ہے کہ نہیں ہے۔ اگر قدیم کے جلوے یہیں پر ہیں تو پھر جھگڑا کس بات کا۔ تو یہاں کے علاوہ بات کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم نے جب بھی بات کی ہے وہ حادث کے ذریعے کی ہے۔ تو حادث جو ہے وہ اتنا حادث بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے بارے میں تعارف کرایا تو اسی فانی انسان کو چُنا۔ باقی نے فانی کے ذریعے اپنی بقا کا علم بتایا۔ تو یہ فانی کتنا فانی ہے جو باقی کا علم رکھتا ہے؟ اس لیے یہ بات سمجھنے والی ہے...... اور بات جب قرآنِ پاک کے فیض کی ہوتی ہے تو اس کو پہچاننے کے بڑے بڑے مشکل مقامات ہیں اور اگر آپ اپنے آپ کو Clear نہ کر لیں تو بات سمجھ نہیں آتی۔ یتیم کا مال کھا کر قرآن سمجھنے والا ایسے ہے جیسے چوری کے پیسوں سے حج کر آئے، یعنی قتل کر کے پیسے چھین لے اور حج کر آئے اور اللہ کے سامنے حاضر ہو جائے جیسے کہ یہ کہہ رہا ہو کہ یا اللہ میں تیرے سامنے ہوں جو کچھ کرنا ہے کر لے، میں پیسے چوری کر کے لایا ہوں۔ اُسے تو کہنا چاہیے کہ تو کدھر آ گیا، پہلے تو امانت لوٹا کے آ۔ یتیم کا مال اس کو واپس کر کے آ، رزقِ حلال اور حرام میں تمیز کر کے آ، ماں باپ کا حق ادا کر کے آ، اولاد کا دھیان کر کے آ اور اس طرح کے دوسرے واقعارت پورے کر کے آ۔ پھر تو تیرا حج ہی حج ہے۔ یعنی کہ آپ باقی فرائض کو واضح طور پر ترک کرنے کے بعد کسی ایک فرض کو سماجی ضرورت بنا لو تو یہ آپ کی بڑی ناانصافی ہے۔ تو آپ سماجی طور پر حاجی صاحب نہ بننا۔ اس لیے یہ بات نہیں ہونی چاہیے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے سارے احکامات کو برابر طور پر تسلیم کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ماں

باپ کے سامنے اُف نہ کرو ولا تقل لھما اُفٍّ تو یہ حکم مکمل ہے اور اس پر عمل کرو۔ اور فرمایا کہ ولا تنھر ھما وقل لھما قولا کریما یعنی ان کو جھڑکی نہ دو، اُن کے سامنے نرم الفاظ کہو۔ گویا کہ ساری بات سمجھا دی گئی ہے۔ پیسے کے بارے میں بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ کیسے کمانا ہے۔ تو مفہومِ قرآن جو ہے یہ ساری زندگی کے ہر عمل پر Operate کر رہا ہے۔ تو جب تک زندگی اس کے حکم کے مطابق نہ ڈھلے تو قرآن کا علم کس کام آئے گا۔ ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہے کہ یہ ایسے ہے جیسے کسی عالم کے سر پر کتابیں رکھی ہوں اور وہ عمل سے بیگانہ ہو۔ تو قرآن فہمی جو ہے یہ زندگی کے مطابق ہونی چاہیے اور یہ زندگی قرآن کے مطابق ہونی چاہیے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا کہ جب تک عمل، عمل کے تابع نہیں ہوگا تو علم، علم کے مطابق نہیں رہے گا۔ قرآنِ پاک کا علم اس وقت تک علم نہیں بنتا جب تک اس عمل کے مطابق زندگی نہ ہو۔ جن کو سب سے زیادہ قرآن آتا تھا اور جن پر قرآن نازل ہوا تھا، اس ذات کی زندگی کے ساتھ اپنی زندگی کو ان کے تابع فرمان کردو، زندگی اس انداز سے گزارنے کی کوشش کرو تاکہ یہ علم آپ پر آشکار ہو۔ تب جا کے قرآن آپ کو سمجھ آئے گا۔ اللہ تو دینا چاہتا ہے اور دیتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے شہد کی مکھی پر الہام کردیا ہے کہ وہ شہد بنائے۔ آپ تو قرآن کے حوالے سے بحث کرتے ہیں۔ پہلا کام یہ کرو کہ اللہ کے ساتھ بحث نہیں کرنی، وہ جس کو چاہے زندہ رکھے اور جس کو چاہے مار دے، آپ گلہ نہ کرنا۔ آپ نے جن لوگوں کا مال کھایا ہوا ہے وہ پیسہ واپس کرو، توبہ کرو، اللہ کو راضی کرو، ورنہ تو کھایا ہوا مال پتھر بن کے اندر آنتوں میں درد کرے گا۔ تو اس کا خیال رکھو۔ ماں باپ اگر ناراض ہیں تو ماں باپ کو راضی

کرنے کی کوشش کرو، وہ اگر رخصت ہو گئے ہیں تو ان کی قبروں پر حاضری دو، تب بھی کچھ آسانی ہو جائے گی۔ کافروں کے ساتھ اللہ خود ڈیلنگ کرلے گا، آپ مومن ہیں، آپ کے ساتھ جو Dealing ہے آپ وہ دیکھیں۔ زندگی میں کسی اصول کو اللہ کی راہ مان کر سفر کرتے جاؤ، بحث نہ کرو...... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کی تخلیق کی ہوئی کائنات پر غور کرو۔ یہ بات یاد رکھنے والی ہے۔

جس شخص نے حق سے زیادہ پیسہ کھایا وہ ظالم ہے، اللہ اس کو برباد کرے، یا پھر وہ پیسہ اپنے محتاج بھائی کو دے دے۔ لیکن جب آپ تخلیق کا عمل دیکھیں گے تو کوے کو کوے کے پر اور مور کو مور کے پر ملیں گے۔ یہاں جھگڑا نہ کرنا کہ مور کے چار پر توڑ کے کوے کو لگا دو۔ اس طرح کائنات خراب ہو جائے گی۔ ہر آدمی کو اس کا حق ملنا چاہیے۔ اس بات کے لیے دعا ہونی چاہیے۔ ہر آدمی کو اس کا نصیب ملنا چاہیے لیکن اس کائنات میں کبھی برابری نہیں ہو گی، میں آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ زندگی برابر نہیں ہو گی۔ اگر تم مال برابر کر دو گے تو چہرہ برابر نہیں ہو گا، جھگڑا پھر پیدا ہو جائے گا۔ تو کائنات کی تخلیق میں برابری کبھی نہیں ہو سکتی۔ کوئی ذہین پیدا ہو گا، کوئی پیغمبر ہو گا، کوئی اُمتی ہو گا، کوئی کمزور ہو گا، کوئی طاقتور ہو گا، کوئی دانا ہو گا، کوئی نادان ہو گا...... ایک کو دوسرے پر فوقیت ضرور دی جائے۔ آپ فوقیت کا شعبہ پہچان لو، پھر اس کے بعد انقلاب لانا تا کہ یہ نہ ہو کہ آپ بے ادب ہی ہو جاؤ، یہ نہ ہو کہ آپ گستاخ ہی ہو جاؤ۔ کہیں یہ نہ کہہ دینا کہ پیغمبر غریب کیوں تھے۔ غریبی میں بھی پیغمبری ہوتی ہے، غریبی میں بھی غریب نوازیاں ہوتی ہیں، غریبی والا اللہ کے قریب ہو سکتا ہے اور دولت مند اللہ کا باغی بھی ہو سکتا ہے۔ تو تقسیم دراصل یہ ہے کہ اچھا امیر بہت اچھا ہے، اچھا غریب بھی

بہت اچھا ہے، برا امیر بہت بُرا ہے اور بُرا غریب اس سے بھی بُرا ہے۔ گویا کہ اچھائی اور برائی کی تخصیص ہے، امیر اور غریب کی بات نہیں۔ بُرے آدمی کو برا ہی کہو اور اچھے کو اچھا کہو۔ یہ امیری غریبی کے علاوہ ہے۔

دعا کرو کہ اللہ کا ایسا نظام آجائے کہ غریبوں کو ان کا حق مل جائے اور امیر جو ہے وہ مغرور نہ ہو اور غریب جو ہے وہ محروم نہ ہو۔ یا اللہ ایسا نظام لا دے جس میں غریب نہ مظلوم ہو اور نہ محروم ہو اور امیر کو ظالم بننے سے روک دے۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه و نور عرشه سیدنا و مولٰنا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین.

۲

- آج کے زمانے میں علم بیان گرنے والے اتنے لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں آتا کہ انسان کس ندا پر، آواز پر توجہ دے۔
- لوگ جو خواہش رکھتے ہیں وہ کامیاب تو نہیں ہوتی بلکہ خواہش رہتی ہے۔
- کیا خواہش، تمنا اور آرزو کے مترادف ہے؟
- اگر تمام خواہشات اللہ کے سپرد کر دیں تو کیا پھر بھی خواہش کا سفر باقی رہ جاتا ہے؟
- کیا اعمالِ صالح ایک تربیتی نظام ہے؟
- حضور پاک ﷺ جو تزکیہ فرماتے تھے اس کی تعلیم کیا ہے؟

سوال:

آج کے زمانے میں علم بیان کرنے والے اتنے لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں آتا کہ انسان کس ندا پر، آواز پر توجہ دے۔

جواب:

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے جب کہ جواب پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ یہ جو اختلاف لیل و نہار ہے اس کے اندر نشانیاں ہیں اور آسمان کی تخلیق کے اندر نشانیاں ہیں۔ اور جب آپ کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو آپ کو اس کے اندر نشانیاں ملتی ہیں اور اس کائنات کا مشاہدہ، جو کہ باہر کی کائنات ہے، اس میں گردش لیل و نہار کا جو اختلاف ہے، اس سارے پر غور کرنے کے بعد اگر آپ اس نتیجے پہ پہنچ گئے کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا یارب العالمین یہ جو کچھ تو نے بنایا ہے یہ باطل نہیں بلکہ برحق ہے یعنی جو بھی تو نے بنایا۔ پھر آپ کے لیے یہ مرحلہ آتا ہے کہ آپ کون سی ندا پہ چلیں یا کون سی منادی کریں۔ سب سے پہلی اور ضروری چیز یہ ہے کہ آپ اس کائنات کی تخلیق فرمانے والے کا حسنِ تخلیق دیکھیں اور تخلیق کی Durability دیرپائیت دیکھیں، ستاروں کی عمر دیکھیں، ان کے لامحدود زمانے دیکھیں، پہاڑوں کے باقی رہنے والے سلسلے دیکھیں، سلسلہ ہائے روز و شب دیکھیں ....

پہاڑوں پر درخت پیدا ہوتے ہیں' بڑے ہوتے ہیں' کاٹ دیے جاتے ہیں' کٹ جاتے ہیں یا جل جاتے ہیں تو پھر اور درخت پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ پہاڑ قائم رہتا ہے اور درخت فصل کے طور پر آتے ہیں اور فصل کٹ جاتی ہے۔ اس دنیا کے اندر اور دنیا کی عظیم Durability کے اندر انسان فصل کے طور پر آتا ہے اور کٹ جاتا ہے۔ جب آپ نے فصل کے طور پر آنا ہے اور اس فصل نے کٹ جانا ہے تو پھر آپ اپنے سفر کی میعاد کو دیکھیں اور اس کے اندر اپنے سفر کو سہل بنانا' خوشگوار بنانا یا اُسے کامیاب بنانا چاہیے' اس میں اگر آپ کو کسی قسم کی کمی محسوس ہو تو پھر آپ دعا کرالیں۔ لیکن یہ سفر جاری ہے' فصل کے طور پر آپ نے اگنا ہے اور فصل کے انداز سے آپ نے کٹ جانا ہے' تو آپ دعا یا سوال وہ کریں جس سے آپ کی فنا کا سفر اوجھل نہ ہو' آپ اپنی پوزیشن کو اور اپنی Visible کائنات کو نگاہ میں رکھیں اور دیکھیں کہ سورج وہی ہے' چاند وہی ہے' ستارے وہی ہیں' آسمان وہی ہے' پہاڑ اور دریا سب کچھ وہی ہے لیکن آپ وہ نہیں ہیں۔ ساٹھ سال کے عرصہ میں لاہور شہر کی چالیس لاکھ آبادی مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے اور ساٹھ سال کے بعد مکمل طور پر نئے لوگ آ جاتے ہیں۔ آپ کی عمر پوری ہونے کے بعد شہر آباد رہے گا' گلیاں بھری رہیں گی' لوگ موجود رہیں گے' تھڑوں پر لوگ بیٹھے رہیں گے' باتیں ہوتی رہیں گی' اخبار چھپتا رہے گا لیکن حمید نظامی کی جگہ مجید نظامی بیٹھا ہوگا۔ تو ہر چیز میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس فرق کو آپ نگاہ میں رکھیں' مثلاً آپ اپنے ابا کی دکان میں بیٹھے ہیں جب کہ ابا موجود نہیں ہے تو آپ اس مقام پر ہیں جب کہ وہ مقام موجود نہیں ہے۔ ایک آدمی گورنر ہاؤس میں بیٹھا ہوتا ہے تو وہاں کئی فوٹو لگے ہوتے ہیں جو کہ پہلے گورنر تھے۔ پھر اس کا بھی فوٹو لگ

جائے گا' نیچے لکھا ہوگا کہ یہاں سے کب نکلا۔ گویا کہ جب اس زندگی میں آنا ہے تو اس سے نکلنا بھی ہے۔ تو آپ وہ دعا اور سوال کریں جس سے آپ کا سفر اپنی میعاد میں آسان ہو۔ اگر صحرا کا سفر ہے اور آپ کرسیاں منگوا رہے ہیں تو آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ صحرا میں چلنے والے کا صوفے سے کیا تعلق ہے بلکہ وہاں تو اونٹ چاہیے' کچھ ستو چاہیے اور پانی کی چھاگل ہو۔ یعنی کہ آپ اپنے سفر کو پہچانتے ہی نہیں ہیں اور آپ خواہشات کا سوال کرتے جاتے ہیں کہ یا اللہ یہ بھی دے دے' وہ بھی دے دے۔ آپ وہ مانگتے ہیں جسے آپ Accommodate کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے' اس سوال کو نبھانے کی آپ توفیق نہیں رکھتے' خواہش کو پورا کرنے کی آپ کے اندر استعداد نہیں ہے۔ جوانی کی عمر میں انسان کو کثرتِ ازواج کی خواہش ہو سکتی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ ایک زوج بھی انسان کی مکمل تباہی کا باعث ہو سکتی ہے۔ تو انسان کے خون کی حدت اور خواہشات کا پھیلاؤ عمر کی ایک حد تک ہوتا ہے اور آپ اس عمر سے ذرا دوسری عمر میں آ گئے' یعنی صحت والی عمر سے بیماری کی عمر میں چلے گئے تو صحت کے تقاضے جو ہیں وہ بیماری کی عافیت کے تقاضے میں بدل جائیں گے' سیر کرنے کی خواہش جو ہے وہ ٹھہرنے کی خواہش میں بدل جائے گی' باہر جانے کی آرزو گھر میں رہنے کی آرزو میں بدل جائے گی۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ کہیں تجربے سے نہ سیکھنا' کیونکہ زندگی میں تجربہ کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔ اس لیے بار بار وضاحت کی جاتی ہے کہ اشیاء کی گردش میں استقامت ہے اور آپ اپنے آپ کو اللہ کے ذکر میں قائم رکھیں۔ تو پیدا کرنے والے نے یہ بتایا۔ اگر آپ کو ذکر کرنے میں دقت ہو رہی ہے تو پھر آپ اس بارے میں سوال کریں۔ ذکر کا معنی ہے خالق کا تذکرہ' یاد'

خیال اور اپنی زندگی کی پہچان۔ تو انسان، کو اللہ کریم نے واضح طور پر بار بار فرمایا کہ دیکھو ہم نے بستیاں کیسے آباد کیں اور پھر بستیاں کیسے بنجر ہو گئیں' ویران ہو گئیں۔ لوگ آتے ہیں اور ویرانیاں چھوڑ جاتے ہیں۔ کتاب میں آپ یہ پڑھتے ہیں۔ دنیا میں سیر کر کے دیکھیں کہ یہ جو کھنڈرات ہیں یہ کبھی زندگی تھی' یہ آثار تھے' محلات تھے ....تو یہ فرمان تو ایک اطلاع ہے اور اگر اطلاع آپ کا مشاہدہ بن جائے اور آپ اس مشاہدے سے تاثیر حاصل کر لیں کہ جس طرح باہر کی زندگی قائم ہو کے ختم ہو گئی اسی طرح آپ کی ذاتی زندگی ایک فصل ہے' پوری طرح اُگے گی اور پھر اس نے ختم ہو جانا ہے۔ تو ختم ہونے سے پہلے آپ اس کے لیے دعا کا کوئی انتظام کر جائیں' آپ یہ کہیں کہ یا اللہ ہمارا پھیلاؤ اتنا ہو جو ہمارے سمٹے ہوئے سفر میں پورا ہو' کیونکہ سفر محدود ہے اور اگر خواہش لامحدود ہو گئی تو ایمان ختم ہو جائے گا۔ یہ بڑی Important بات ہے۔ محدود زندگی میں لا محدود خواہشیں پوری نہیں ہو سکتی اور پھر آپ پروردگار کا گلہ کریں گے اور گلے سے آپ کا ایمان مجروح ہو جائے گا۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ خواہشات پھیل گئی ہیں اور زندگی سمٹی ہوئی ہے' اس لیے آپ اپنی محدود زندگی میں اتنی آرزوئیں رکھیں جس سے یہ زندگی آسان ہو اور زندگی کو چھوڑنا بھی آسان ہو تا کہ یہ نہ ہو کہ اس میں کوئی دقت پیدا ہو جائے۔ جس کو آپ کامیابی کہہ رہے ہیں دراصل آپ نے کامیابی کے نام پر اپنے ذمے ایک اور مصیبت لگا لی۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کہ مبارک ہو' کاروبار کامیاب ہو گیا' مگر یہ ایک اور مصیبت آ گئی کیونکہ یہ سب چھوڑنا مشکل ہو جائے گا۔ جوں جوں آپ پھیلتے جائیں گے اسی قدر زندگی سے نکلنے میں آپ کو اور دشواری ہو گی' آپ کو ایک اور صدمہ حاصل ہو گا۔ جہاں جہاں

وابستگی ہوتی جا رہی ہے وہاں وہاں صدمات ہیں' وابستگی رشتوں کی ہے تو سارے غم رشتوں کے ہیں۔ وابستگی میں خوشی رشتوں کی وجہ سے تھی اور بزرگوں' والدین اور گردوپیش میں جب یہ سفر پھیلتا ہے تو پھر آپ کہتے ہیں کہ بہت قریب کے لوگ آپ کے ہاتھوں سے بہت دور نکل گئے۔ اسی طرح آپ بھی زندگی سے نکل جائیں گے۔ اس لیے اپنی خواہشات کو کبھی اتنا نہ پھیلنے دینا کہ یہ خواہشات آپ کے لیے وبالِ بن جائیں۔ دعا یہ کرنی ہے کہ ہم اس زندگی میں اتنے پھولیں پھلیں کہ ہم زندگی بنانے والے سے باغی نہ ہو جائیں' زندگی دینے والے کے باغی نہ بن جائیں اور ہم اپنے آپ کو خواہشات کے ذریعے بقا میں لے جائیں' کہیں ہم فنا کا سفر نہ کرلیں' خودکشی نہ کر بیٹھیں۔ اس لیے وہ آرزو رکھنا جس سے آپ کا سفر آسان ہو۔

اب ان باتوں کا خلاصہ' Revision یہ ہے کہ یہ زندگی جس کو آپ بنانے کی فکر میں ہیں' یہ زندگی آپ نے بذاتِ خود نہیں بنائی۔ جب زندگی آپ نے نہیں بنائی تو آپ نے زندگی کو کیا بنانا ہے۔ زندگی آپ نے بنائی نہیں ہے اور زندگی عطا کرنے والے نے اس کے اندر تعمیر اور تخریب کے گنتی کے مکمل ایام رکھ دیے ہیں۔ آپ کی خواہش یہ ہے کہ گنتی کے ایام سے باہر نکل جائیں یعنی انسان کی آرزو اتنی سی ہے کہ وہ موت سے بچ جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے موت سے بچنا نہیں ہے۔ اس لیے اگر آپ اس بات کو Realize کرلیں تو پتہ چلے گا کہ آپ نے وقت سے پہلے مرنا بھی نہیں ہے۔ زندگی نے ختم تو ہونا ہے مگر آپ بد دل نہیں ہونا' مایوس نہ ہو جانا کہ آپ نے مر جانا ہے۔ موت تو آنی ہے لیکن مایوسی نہیں ہونی چاہیے' موت تو ہے' اس لیے پھیلنا نہیں چاہیے تاکہ سمٹنا

مشکل نہ ہو جائے۔ اس زندگی کے اندر اگر آپ اپنی زندگی پہ غور کریں تو بہت ساری چیزیں آپ کو کیفیات کی شکل میں خود بخود عطا ہوئی ہیں' مثلاً غصہ آپ نے نہیں پالا' یہ اندر خود ہی پیدا ہو گیا۔ اب غصہ کا اظہار جو بھی نتیجہ لائے مگر غصہ In itself آپ کا اپنا نہیں ہے۔ تو غصہ زندگی میں موجود ہے' لالچ اس کے اندر موجود ہے' کمزوری اس کے اندر موجود ہے' نیکی کی خواہش بھی اس کے اندر موجود ہے اور بدی کی تمنا بھی اس کے اندر موجود ہے .... آپ کے اپنے اندر جو موجود قواء ہیں اور جو موجود خواہشات ہیں' آپ ان کا جائزہ لیں۔ تو کچھ خواہشات جو ہیں وہ Supress' ختم کرنے والی ہیں اور کچھ خواہشات جو ہیں وہ Preserve' قائم کرنے والی ہیں۔ جو قائم کرنے والی خواہشات ہیں آپ ان کو قائم کریں اور جو روکنے والی خواہشات ہیں ان کو آپ روکیں۔ تو آپ کا اتنا ہی کام ہے۔ ابتدا کے طور پر خواہش کا پیدا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ آپ کے مقام میں نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نیکی کے سفر میں چل پڑا تو اس نے خود کیا کیا کیونکہ نیکی تو اس کے اندر موجود ہے' اس نے بدی کے مواقع روک دیے تو نیکی کا سفر خود بخود چل پڑا۔ اگر آپ اپنے شعور کو اپنا استاد بناتے ہیں تو یہ ایک مقام ہے۔ یعنی اپنے شعور سے اور اپنے خیال سے آپ اپنے لیے اچھائی یا برائی کا فیصلہ کر کے اچھائی کی طرف شعوری طور پر سفر کرتے ہیں۔ تو یہ ایک مقام ہے۔ اس کا نتیجہ آپ کا حاصل ہے اور اس کا انعام کس کو ملے گا؟ آپ کے شعور کو' کہ آپ کے پاس عقل سلیم تھی اور آپ اس سفر پر چل پڑے' پھر نتیجہ بہتر ہو گیا۔ کچھ سفر ایسے تھے جو صرف خواہش سے ہوتے ہیں اور آپ کو اس کا پتہ ہی نہیں چلا' وہاں صرف خواہش تھی اور والہانہ پن تھا۔ مثلاً شام کا وقت ہو

اور آپ کو بھوک لگی ہو تو آپ خود بخود کچن کے قریب ہو جائیں گے۔ اب یہ سفر جو ہے یہ اندر کی خواہش سے ہوا ہے۔ تو خواہشات آپ کو Direct کرتی رہتی ہیں، چلاتی ہیں، شعور بھی Direct کرتا ہے اور ایمان بھی Direct کرتا ہے۔ جب اذان ہوتی ہے تو آپ کا ایمان خود بخود قائم ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان کا اذان کے ساتھ تعلق تھا۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کریم خود بخود آپ کے راستے کی آسانیاں پیدا فرماتا ہے اور راستے کی پیچیدگیاں دور فرماتا ہے۔ جس طرح نیکی کی بات ہے تو یا تو آپ یہ خود کریں اور پھر نیک سبب کا بن جانا فضل ربی ہے۔ اگر آپ کے گھر کے قریب ہی کوئی نیک بندہ پیدا ہو گیا تو سمجھو کہ آپ کے لیے نیکی پیدا ہو گئی۔ اگر کسی ایک جگہ پر نو بندے بیٹھے ہوں جو سچے اولیائے کرام ہوں اور وہاں پر دسواں ایک دنیا دار بیٹھ گیا تو وہ محفل تو ساری اولیائے کرام کی ہو گی مگر پھر وہاں دنیا دار بھی Accommodate ہو جائے گا، شامل ہو جائے گا۔ اس آدمی کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ خوش قسمت لوگوں میں جا کر بیٹھ گیا، اس نے کوئی اور عمل نہیں کیا۔ اب یہ چانس جو ہے یہ اللہ کریم دیتا ہے، کہ اس غلط انسان کو ایک ایسی محفل میں پہنچا دیا جس محفل کا مقام بڑا بابرکت تھا۔ اس کا صرف وہاں سے گذر ہوا تھا، اس نے سوچا کہ یہاں بیٹھ کے دیکھیں تو سہی، یہاں کیا ہوتا ہے۔ تو جہاں پر ''کچھ'' ہوتا تھا وہ وہاں بیٹھ گیا تو اس کو بھی فیض مل گیا۔ تو بعض اوقات اتفاقیہ ہونے والا عمل بھی نیکی کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ تو اتفاقیہ ہونے والا اور سرزد ہونے والا عمل بھی نیکی لاتا ہے۔ گویا کہ نیکی ایک ایسی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احسان فرمانے سے آپ کو مل جاتی ہے۔ تلاش سے نیکی بہت کم ملتی ہے یعنی تلاش کر کے، بھاگ کے، دوڑ کے، پہاڑوں پہ گئے، دریا پہ گئے، آستانے پہ گئے، مشائخ

کرام کے پاس گئے‘ اولیائے کرام کے پاس گئے‘ علماء صاحبان کے پاس گئے‘ کتابیں پڑھیں مگر کچھ سمجھ نہ آیا اور ایک دن اچانک ایسا واقعہ ہو گیا‘ اتفاق سے سرزد ہو گیا‘ ایک آدمی آیا اور اس نے دو روپے مانگ لیے‘ تم نے اس کو دے دیے کیونکہ اس وقت تم اچھی حالت میں تھے .... وہ آدمی تھا دعا دینے والا‘ اور آپ کی عاقبت بنا گیا۔ گویا کہ اللہ کریم اگر احسان فرمانے لگے تو احسان کرنے کا ذریعہ اس وقت آپ کے پاس آیا جب آپ سخاوت میں تھے اور آپ نے اسے پیسے دے دیے۔ اور اگر آپ بخیلی میں ہوں اور اس وقت کوئی سچا بندہ آجائے تو آپ تو برباد ہو جائیں گے‘ یعنی آپ نے سچے کو‘ صادق کو انکار کر دیا اور کچھ نہ دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی عاقبت کمزور ہو جائے گی۔ گویا کہ اس طرح کے واقعات بھی زندگی میں سرزد ہوتے رہتے ہیں کہ نیکی خود بخود آپ کی تلاش میں آتی ہے اور بدی خود بخود آپ کو چھوڑ جاتی ہے۔ یہ دعا کرنی چاہیے کہ یا رب العالمین ہم نیکی کو کیسے ڈھونڈیں‘ تُو خود بخود ہی نیکی عطا فرما‘ تُو خود ہی ہمیں نیک کر دے‘ سمجھ نہیں آتی کہ ہم نیکی کیسے کریں‘ ہم تو یہ نیکی کریں گے کہ پیسہ مانگنا شروع کر دیں گے‘ اس لیے ہمیں تو نیکی بدی کا پتہ کوئی نہیں ہے‘ تُو آپ ہی مہربانی فرما۔ ورنہ تو بے شمار لوگ ایسے ہیں جو دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے عبادت کرتے ہیں‘ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اللہ سے چیزوں کے حصول کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ یہ دے‘ یا اللہ وہ دے بلکہ سب کچھ ہی دے دے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ کا احسان ہو جائے تو آپ کا دل اطمینان میں آجاتا ہے‘ جیب خالی ہوتی ہے مگر آنکھ بھر جاتی ہے‘ جیب خالی ہوتی ہے مگر دل مطمئن ہوتا ہے ورنہ بعض اوقات جیب بھری ہوتی ہے مگر آنکھ خالی ہوتی ہے‘

لالچ موجود ہوتا ہے اور یہ ایک عذاب ہوتا ہے کہ پیسہ تو ہے مگر پیسے کی تمنا بھی ہے۔ وہ پیسہ جس نے آپ کو پیسے کی تمنا سے نجات نہیں دی وہ پیسہ عذاب ہے۔ اس لیے اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ آپ دنیا کی تمنا سے آزاد ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام کرتا ہے، بعض اوقات ایسا دوست مل جاتا ہے کہ آپ کو غلط تمناؤں سے آزاد کر جاتا ہے، آپ کو کوئی بدی کرنے ہی نہیں دیتا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایسے دوست مل جائیں جو آپ کو نیکی کرنے ہی نہ دیں۔ اس لیے یہ دعا کرنی چاہیے کہ یا اللہ ہمارے ساتھ نیک سبب بنا، نیک اعمال عطا فرما، نیک اعمال میں نے کہاں کرنے ہیں، بس یہ نیک اعمال مجھ سے ہو جائیں۔ دعا کرو کہ نیکی کا ماحول پیدا ہو جائے۔ جب نیکی کا ماحول پیدا ہو جائے گا تو ہر طرف نیکی ہی نیکی ہو جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ منظور فرما لے تو آپ اس زندگی میں جو کام کر رہے ہیں وہ عبادت ہے اور اگر منظور نہ فرمائے تو یہ ساری بغاوت ہے۔ اس لیے دعا یہ ہونی چاہیے کہ یا رب العالمین، ہمارے اعمال کو اپنی تائید عطا فرما اور اپنے فضل سے ہمارے اوپر رحم فرما تا کہ ہم وہ عمل کریں جو تجھے منظور ہو، کیونکہ ہمیں تو پتہ نہیں ہے کہ کیا کریں، ہمیں تو اپنا بھی پتہ نہیں ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس باہر کی زندگی کو ضرور سٹڈی کرتے رہنا، کائنات کو دیکھتے رہنا کہ یہ یہیں رہے گی اور آپ نہیں ہوں گے۔ یہ ساری کائنات As it is رہے گی اور آپ نے نہیں ہونا۔ ''نہیں ہونے'' سے پہلے آپ کا کام ہے کہ اس بات کو پہچان کے جائیں تا کہ آپ اپنی فالتو خواہشات کو نکال سکیں۔ فالتو خواہش اُسے کہتے ہیں جو یہاں رہنے کی خواہش ہے کیونکہ یہ تو رہنے کا مقام ہی نہیں ہے۔ رہنے کی خواہش میں فاؤل کھیلنا بہت بری بات ہے، تو رہنا اللہ کے حکم سے ہو، جانا اس کے حکم سے ہو،

خواہشات بھی اتنی جتنا اس کا حکم ہے اور جب وہ چھوڑنے کا حکم فرما دے تو یہاں سے ہاتھ ایسے اُٹھالینا جیسے کہ یہاں تھا ہی کچھ نہیں۔ پھر یہاں کسی دقت کی بات نہیں ہو گی۔ اس سے پہلے کہ آنکھ بند ہو جائے' آنکھیں کھول لینی چاہییں' اس سے پہلے کہ وہ وقت آجائے' آپ اس وقت کا اندازہ کر لو۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ زندگی میں آپ کو دوست یا دشمن کی شکل میں جو لوگ ملتے ہیں' یہ لوگ ہی آپ کی نیکی اور بدی کے ذمہ دار ہیں۔ مثلاً اس وقت انگلینڈ میں اگر کوئی آدمی ہے' وہ کیا کر رہا ہے' اس سے آپ کی نیکی بدی میں فرق نہیں پڑتا بلکہ آپ کی نیکی بدی آپ کے پڑوسی کے عمل کے ساتھ ہے' آپ کے گھر والوں کے عمل کے ساتھ ہے اور آپ کے دوستوں کے ساتھ ہے۔ گویا کہ آپ اپنے Known حلقوں میں' جانے ہوئے دائرے میں' جو عمل کر رہے ہیں وہی نیکی بدی ہے۔ نیکی بھی انسان کے ساتھ ہوتی ہے اور بدی بھی انسان کے ساتھ ہوتی ہے اور قیامت کے دن یہی چہرے آپ کے خلاف فریاد کر سکتے ہیں اور یہی چہرے آپ کے حق میں گواہی دے سکتے ہیں جن کے ساتھ آپ سفر کر رہے ہیں' جن کے ساتھ آپ چل پھر رہے ہیں۔ اس لیے انہی چہروں کے اندر آپ نے اپنی کشادگی دریافت کرنی ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آپ کے سامنے ہیں' ان کے اندر آپ کی نیکیاں ہیں اور ان کے اندر آپ کی بدی۔ بعض اوقات اگر آپ اپنے گھر میں نوکر کے ساتھ کوئی سختی کریں یا زیادتی کریں تو وہ آپ کی پوری کی پوری عبادت برباد کر سکتا ہے۔ اجنبی کے ساتھ نیکی کریں گے تو بڑی نیکی ہو گی۔ اس لیے آپ یہ جو سوال پوچھتے ہیں کہ اللہ کریم سے ہم کیا دعا کریں تو اللہ کریم سے سب سے بڑی دعا وہ یہ ہے کہ یا رب العالمین آپ ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی

محبت عطا فرمائیں۔ یہ ایسی دعا ہے جس پر اللہ خوش ہوتے ہیں کہ اس نے مجھ سے مانگا کہ یا رب العالمین اپنے محبوبؐ کی محبت بخش۔ اس سے بڑی دعا کوئی نہیں ہے۔ حضور پاک ﷺ سے محبت کا مطلب ہے آپؐ کے دین سے محبت' وہ دین جو آپؐ نے عطا فرمایا۔ دین میں جو چیز منع کی گئی ہے اس سے باز آ جاؤ اور جس کا حکم دیا گیا اس کو کرنے لگ جاؤ' سادہ سی زندگی اختیار کر لینی ہے اور یہی کامیاب زندگی ہے۔ باقی جو آپ دنیا کی کامیابی اختیار کر رہے ہیں تو اِس معیار کی کامیابی اُس معیار میں کامیابی نہیں ہے۔ اس لیے آپ کا فیصلہ کس نے کرنا ہے؟ یہ اللہ کریم نے فیصلہ کرنا ہے۔ آپ اپنی کامیابیوں کا دنیا کی نگاہ سے فیصلہ نہ کرنا بلکہ اللہ کی نگاہ سے فیصلہ کرنا۔ یہ ضروری ہے۔ اس لیے اپنی کامیابیوں کو اللہ کریم کے حوالے سے پہچانو کہ اللہ کریم آپ سے کس چیز کی توقع فرماتے ہیں' آپ کو پیدا فرمایا تو کیوں پیدا کیا۔ اللہ نے تو بڑی آسانی سے بات سمجھا دی کہ میں لامحدود چیزیں پیدا کرتا ہوں اور میری ذاتِ گرامی لازوال ہے ویبقٰی وجہ ربک ذوالجلٰل والاکرام ہمیشہ رہنے والی میری ذات ہے اور باقی ہر چیز کو فنا ہے۔ تمہیں ہم نے پیدا کیا اور پھر تمہارے لیے ایک راستہ تجویز کیا جو دین کا اور ایمان کا ہے" ہمیں محبت ہے اپنے حبیبؐ سے اور میں اور میرے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور تم بھی یہی کام کرو۔ انسان کے لیے اتنی سی بات ہے۔ باقی آپ کے مشاغل ہیں' کھانا پینا کام کرنا' وہ آپ کرتے رہیں۔

اور کوئی سوال پوچھیں .... پوچھ لیں۔

سوال:

لوگ جو خواہش رکھتے ہیں وہ کامیاب تو نہیں ہوتی بلکہ خواہش رہتی ہے۔

جواب:

دنیا کی کامیابی حجاب ہے۔ اگر چور چوری کرنے کے عمل میں فنکار بن جائے' کامیاب بن جائے تو وہ بنیادی طور پر تو ناکام ہو گیا۔ یعنی کہ مقصد صحیح نہ ہو تو کامیابی بذات خود ہی ناکامی ہے۔ کامیاب ہونے سے پہلے آپ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنی خواہش کو کلمہ ضرور پڑھا لیا کرو۔ پیسے تو کمانے چاہییں مگر ساتھ میں کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا کرو' نیکی کا کام بھی کرنا ہے' حق کے لیے بھی کرنا ہے۔ تو آپ کی خواہشات Pure دنیا کے لیے نہ رہیں۔ اس کو سمجھنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دین والے ہیں اور وہ لوگ جو دین والے نہیں ہیں' اگر دونوں ایک جیسی خواہشات رکھیں تو پھر دین والے اور بے دین کا کیا فرق ہوا؟ آپ دین والے ہونے کی حیثیت سے اپنی خواہشات اور بے دین لوگوں کی خواہشات میں فرق رکھیں۔ حدیث شریف ہے کہ الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر دنیا مومن کے لیے قید خانے جیسی ہے اور کافر کے لیے جنت جیسی ہے۔ کافر اس میں خوشی چاہتا ہے' خوش رہتا ہے' پھیلتا ہے' حاصل کرتا ہے۔ مومن کے لیے قید خانے کا کیا مطلب ہے؟ یہاں سے نکلنے کی کوشش' نکلنے کی آرزو' یہاں سے عہدہ برآ ہو کر نکلنے کی خواہش تاکہ ہم یہ فرض پورا کریں اور اگلی کسی منزل پر چلیں کیونکہ آگے کوئی اور منزل ہوتی ہے۔ اس میں یہ چند باتیں ضرور نوٹ کر لیں' مثلاً ماں باپ کا جو نافرمان ہے وہ خدا کا فرمانبردار نہیں ہو سکتا۔ یہ فیصلہ اللہ کا اپنا ہے۔ اب ماں باپ چاہے جیسے ہوں' حتیٰ کہ حکم ہے کہ اگر وہ کافر بھی ہوں تب بھی سوائے اپنا مذہب بدلنے کے' دین بدلنے کے باقی ان کے سارے احکامات مانو۔ اگر ماں باپ کہیں کہ دین چھوڑ دو تو دین نہ چھوڑنا لیکن اس کے

باوجود ادب' احترام اور فرمانبرداری کرتے رہنا۔ پھر یہ کہ محسنوں کے ساتھ محسن کشی کرنے والا کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس نے انسان کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا کیا شکر ادا کرنا ہے۔ تو اللہ کریم کا حکم ہے کہ تم اپنے محسنوں کا شکر ادا کرو جس طرح اللہ کا شکر ادا کرتے ہو۔ تو جو محسن کا شکر ادا نہیں کرتا اُس نے اللہ کا شکر کیا ادا کرنا ہے۔ تو اپنے محسنوں کا شکر ادا کرو۔ یہی اللہ کا شکر ہے۔ ماں باپ کی اطاعت کرو' یہ اللہ کے حکم کی اطاعت ہے۔ اگر آپ نے کسی سے دوستی کی ہے' وفا کا وعدہ کیا ہے تو دوستی اور وفا کرو۔ تو جس شخص نے تعلق میں استقامت رکھی وہ بامراد ہو گیا' جس طرح کہ دوستوں سے' عزیزوں سے' پیروں سے اور مریدوں سے تعلق بن جاتا ہے۔ تعلق کو تبدیل کرنے والا عذاب میں پھنس جائے گا' وہ خود غرض ہو گا' مطلب پرست ہو گا۔ اگر وہ مطلب پرست ہو تو تعلق میں استقامت نہیں آئے گی۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بے شمار لوگوں کے ساتھ دوستی کرتے ہیں' تو ہر ایک کے ساتھ آشنا ہونے والا کسی کا بھی آشنا نہیں ہوتا۔ اس زندگی میں فلاح کے لیے قریب کے ساتھی ضروری ہیں۔ باقی یہ کہ نیکی تو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ نیکی اللہ کی مہربانی سے ہوئی اور بدی آپ کی اپنی غفلت سے ہوئی۔ اگر ایسا نہ ہو تو بھی آپ یہ کہیں۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ بدی آپ کی غفلت سے ہوئی اور نیکی اللہ کے فضل سے ہوئی۔ تو آپ یہ مان لیں۔ اللہ جب چاہتا ہے تو انسان کو نیکی کے راستے عطا فرما دیتا ہے' وہ چاہتا ہے تو انسان کو نیک مقاصد مل جاتے ہیں' نیک آرزوئیں مل جاتی ہیں' نیک تمنائیں مل جاتی ہیں' پھر نیک دوست بھی مل جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے احسانات ہیں۔ تو خواہش وہ

ہونی چاہیے جس سے پتہ چلے کہ صاحب خواہش جو ہے وہ مسلمان ہے۔ تو یہ بات یاد رکھنے والی ہے۔ خواہش جو آپ نے کہہ دی' لکھ دی تو اس سے پتہ چل جانا چاہیے کہ آپ مسلمان ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ میری خواہش ہے کہ مجھے شراب کی بوتل مل جائے' تو اس خواہش والا مسلمان نہیں ہے۔ اگر یہ کہے کہ میری خواہش ہے کہ میں نیک سفر پر جاؤں اور مجھے حج کی توفیق مل جائے تو ایسا آدمی مسلمان ہے۔ اگر یہ کہے کہ میں دنیا کی بھلائی چاہتا ہوں' تو یہ نیک آدمی ہوگا' مسلمان ہوگا۔ اگر یہ خواہش ہے کہ ۔

پل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا

تو یہ مسلمان کی خواہش ہے۔ خواہش کے اندر اگر آپ کا ایمان واضح نہیں ہو رہا تو یہ خواہش ہی ہلاکت کا باعث ہے۔ مثلاً کوئی شخص کتاب لکھ رہا ہے تو وہ یہ سوچے کہ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس سے یری عاقبت بھی درست ہو اور پڑھنے والے کی عاقبت مسلمان ہونے کے حوالے سے درست ہو۔ پھر آپ کی وہ کتاب اعلیٰ ہوگی۔ اگر ایسی کتاب لکھ دی جائے جس سے صاحبِ کتاب' لکھنے والے کے ایمان کا اظہار نہ ہو بلہ اس کی بے ایمانی کا اظہار ہو تو پھر وہ کتاب اُس کی ہلاکت کا باعث ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ نیک کتاب اور سب سے بڑی کتاب اللہ کریم کی کتاب ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب وہ ہے جس میں شک نہیں ہے۔ تو اصل کتاب وہی ہے اور وہ کتابیں صحیح ہوں گی جو اس کتاب کے قریب قریب ہوں گی اور وہ کتابیں غلط ہوں گی جو اس سے دور ہوں گی۔ وہ زندگی صحیح ہوگی جو زندگی حضور پاک ﷺ کی زندگی کے قریب ہوگی' بس قریب ہو' اُدھر رُخ ہو' Pointer اُدھر ہو۔ اس لیے وہ زندگی خوب صورت ہے' وہ

زندگی مبارک ہے جس زندگی پر حضور پاک ﷺ کی زندگی کا کوئی نہ کوئی اثر موجود ہو۔ تو اپنی زندگی کو اس رُخ میں لگانا آپ کا کام ہے۔ خواہش یہ ہونی چاہیے کہ ہم ایسی زندگی بسر کریں کہ ہمیں حضور پاک ﷺ کے تقرب میں کوئی مقام مل جائے، یہ خواہش دل میں ضرور رکھنی چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ اگر آج ہم یہاں کی بجائے اس زمانے میں ہوتے تو ہماری خواہش کا کیا مقام ہوتا۔ تو وہ خواہش اگر دل میں رکھیں تو آج بھی آپ کو کوئی نہ کوئی مقام مل جائے گا۔ اس لیے یہ خواہش ضرور رکھنی چاہیے۔

سوال:

کیا خواہش، تمنا اور آرزو کے مترادف ہے؟

جواب:

جس سفر کی ہم بات کر رہے ہیں تو اس میں تمنا، آرزو اور خواہش برابر ہیں، ایک دوسرے کے مترادف ہیں ورنہ ان کے Shades میں بڑا فرق ہے۔ اللہ کے سفر میں اسے میلانِ طبع، آرزو، تمنا یا حسرت ہی سمجھ لیں۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کی خواہش اللہ کی طرف ہو، آپ خواہش کو رجوع کہیں یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون ہم اس طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اور آپ کو وہ حدیث شریف یاد رکھنی چاہیے کہ کل شئی یرجع الی اصلہ ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ آپ اگر کبھی تنہا بیٹھیں تو آپ اپنی خواہشات کا رجوع دیکھیں، اگر رخ دنیا کی طرف ہے تو آپ دنیا دار ہیں اور اگر دین ہے تو آپ دین دار ہیں، کیونکہ آپ کے اصل نے رجوع ضرور بن جانا ہے، آپ کا اصل باطن آپ کے رجوع میں واضح ہو جاتا ہے۔ تو انسان کا رجوع واضح ہو جاتا ہے۔ اگر آپ میں

پیسہ بنانے کی تمنا ہے تو آپ کا رجوع کہاں پر ہے؟ فرعون کی طرف اور قارون کی طرف۔ اگر آپ کا خیال تبلیغ کرنا ہے تو آپ کا رجوع تبلیغ کی طرف ہے۔ تو اپنے رجوع کا جائزہ لینا چاہیے۔ کہیں آپ کا رجوع باغیوں اور سرکشوں کی طرف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ باغی اور سرکشوں سے بچنا چاہیے تو آپ تابعِ فرمانِ الٰہی زندگی کی طرف رجوع کرو۔ تو آپ کی اصل زندگی یہی ہے کہ آپ اللہ کی طرف رجوع کریں۔

سوال:

اگر تمام خواہشات اللہ کے سپرد کر دیں تو کیا پھر بھی خواہش کا سفر باقی رہ جاتا ہے؟

جواب:

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ خواہش کو اللہ کے سپرد کر دیا تو یہ ایک مقام ہے اور اس مقام کے یہ حصے ہیں کہ خواہش کو اللہ کے حوالے کر دینا۔ خواہش کو اللہ کے حوالے کر دینے کا عمل اتنا فوری نہیں ہو جاتا کہ آپ فوراً یہ کر لیں۔ اگر آپ خود کو اللہ کے دین کے حوالے کر دیں تو یہ بھی اللہ کے حوالے ہے' اللہ کے حبیب ﷺ کی زندگی کے حوالے کر دیں گے تو یہ بھی اللہ ہی کے حوالے ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو دنیا میں نہ لگاؤ۔ تو وہ مقام اور ہے جہاں پر انسان اللہ کی رضا پر اپنی رضا کو نثار کر دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میری آرزو وہی ہے جو آپ کی منشاء ہے۔ وہ منشائے الٰہی کو پہچاننے کا مقام ہے۔ وہ آپ کے باطن کا ایک اور مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جان محفوظ رکھنی چاہیے' جان بچانی چاہیے۔ اور دوسری جگہ یہ حکم ہے کہ آپ شہادت گاہ میں قدم رکھو۔ تو وہاں پر

آپ کو یہ پہچاننا چاہیے کہ اب میرے لیے حکم کیا ہے۔ زندگی بچانا بھی اللہ کا حکم اور زندگی نثار کرنا بھی اللہ کا حکم ہے۔ یہاں پر پتہ ہونا چاہیے کہ کیا مقام ہے' کیا کرنا چاہیے۔ پیسہ کمانا بھی اللہ کا حکم ہے اور اس کی راہ میں خرچ کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس لیے جب آپ اللہ کے اور قریب ہو جاتے ہیں تو آپ کو اللہ کریم کا حکم Dictation دیتا رہتا ہے' راستہ دکھاتا رہتا ہے۔ تو آپ اس Dictation' حکم کے مطابق چل پڑیں۔ آپ نے اپنی ذات کے ساتھ صداقت کرنی ہے' کسی اور کو دکھانے کی بات ہی نہیں ہے۔ جھوٹی دنیا میں شہرت کی تمنا نہ کریں۔ آپ نے اپنی ذات کے ساتھ وفا کرنی ہے' اپنے اللہ کے ساتھ وفا کرنی ہے۔ اس میں زیادہ کاریگری کی بات نہیں ہے بلکہ اس میں Sincerity کی بات ہے' خلوص کی بات ہے' صداقت کی بات ہے' سادگی کی بات ہے' شرافت کی بات ہے' خاندان کی بات ہے اور عظمتِ خون کی بات ہے۔ آپ جب خلوص میں آ جائیں تو آپ کو سب پتہ چل جاتا ہے۔ اختلافِ لیل و نہار تو جاری رہے گا' یہ دنیا قائم رہے گی اور جو کچھ اللہ نے بنایا یہ باطل نہیں ہے' اس میں آپ گلاب کی طرح کھلیں گے' فصل کی طرح ہیں' آئے اور چلے گئے' بس یہاں ایک وقت تک ہیں' آنا ہے اور جانا ہے' اس دوران آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ کہیں اس آنے اور جانے میں عاقبت برباد نہ ہو جائے۔ زندگی نے تو ٹھہرنا نہیں ہے' اگر یہ زندگی قائم ہو جاتی تو پھر ہم آپ کو کبھی مشورہ نہ دیتے' پھر ہم کہتے کہ اس کو قائم کر لو' اس کو کیلیں لگا دو' دیواریں دے دو اور یہاں عزرائیل کو نہ آنے دینا مگر وہ اندر سے آ ہی جاتا ہے۔ جب آپ اس سے بچ نہیں سکتے تو پھر تحفظ کیا کرنا ہے۔ آپ اگر بیماری سے بچ نہیں سکتے تو پھر آپ نے صحت کیا بنائی۔ جب آپ غم سے بچ

نہیں سکتے تو پھر خوشیوں کا کیا کرنا ہے۔ خوشیوں کی محفلیں ہی غم کی محفلیں ہیں کیونکہ جس سے آپ کو محبت ہے اسی کی موت آپ کا فراق بنے گی۔ تو جدائی فراق بنے گی، بڑا غم پیدا ہو جائے گا، تو جہاں سے خوشی مل رہی ہے وہاں سے غم ملنا شروع ہو جائے گا۔ یعنی ایک بڑی شفیق ہستی تھی، ماں باپ تھے، دادا تھے، بزرگ تھے، یعنی بہت شفیق ہستیاں تھیں اور شفیق ہستیاں بھی آپ کو زندگی کے سپرد کر کے چلی جاتی ہیں۔ تو آپ کی زندگی ایسی ہے کہ آپ کے ہاتھ سے One by one سارے زیورات اتار لیے جائیں، ایک ایک کر کے۔ اور پھر آپ بے نام پڑے ہوں گے۔ اگر تب بے نام پڑا ہونا ہے تو آج ہی سے اگر بے نام ہونا شروع ہو جاؤ تو آپ کی یہ زندگی کامیاب ہو جائے گی۔ تو آپ کہیں کہ وافوض امری الی اللہ میرے سارے کام اللہ کے سپرد۔ پھر آپ کامیاب ہی کامیاب ہیں۔

سوال:

کیا اسی تناظر میں اعمالِ صالح ایک تربیتی نظام ہے؟

جواب:

اعمالِ صالح جو ہیں یہ ابتدائی نظام ہے اور یہ انتظار کا نظام ہے۔ اعمالِ صالح کا معنی یہ ہے کہ اچھے انتظار میں رہنا تا کہ صالح راستہ ملے اور اعمالِ صالح کا مطلب ہے غلطی سے بچنا۔ اللہ کا جو راستہ ہے وہ آپ کے اعمال کا محتاج نہیں ہے اور وہ اصل راستہ ہے۔ جس طرح آپ بڑے بڑے وظیفے کر لیں تو بھی باطن آشنائی نہیں ہوتی اور اگر ہونے پہ آ جائے تو اچانک ہو جاتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی باطن آشنا لوگ آئے ہر ایک کا طریقہ جدا ہے، جتنے بھی پیغمبر آئے ہر ایک کا طریقہ جدا ہے، ہر ایک کی بات جدا ہے۔ اللہ کریم کے یہ کام ہیں کہ جتنے بھی

آپ کے بزرگ گزرے ہیں' سلاسل والے گزرے ہیں' مشائخ کرام گزرے ہیں' Genuine لوگ گزرے ہیں' ہر ایک کا طریقہ الگ ہے۔

سوال:

حضور پاک ﷺ جو تزکیہ فرماتے تھے اس کی تعلیم کیا ہے؟

جواب:

تزکیہ تعلیم نہیں ہے۔ حضور پاک ﷺ تزکیہ کی تعلیم عطا نہیں فرماتے تھے بلکہ جو آپؐ کی نگاہ کے اندر آ گیا اس کا تزکیہ ہو گیا۔ تو وہ نگاہ تزکیہ کر دیتی تھی۔ تزکیہ یہ ہے کہ ایک شخص تلوار لے کے آ رہا ہے اور آپ کی جان کا دشمن بن کے آ رہا ہے' آپؐ سے نگاہ ملی تو نگاہ ملانے کے بعد ہی کلمہ پڑھ لیا۔ یوں تزکیہ ہو گیا۔ تو تزکیہ جو ہے اس نگاہ کا فیض ہے۔ آج بھی وہی فیض ہے کہ تزکیہ ہو جاتا ہے۔ آج اگر آپ کو کہیں کرامت نظر آ گئی تو کرامت بھی یکے از معجزات پیغمبری ہے۔ یہ بات یاد رکھنا۔ تو کسی بھی بزرگ سے آپ کے حق میں کوئی کرامت ہو گئی تو یہی سمجھنا کہ وہ حضور پاک ﷺ کا ہی فیض ہے۔ تو کرامت جو ہے یہ یکے از معجزات پیغمبر ہے۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے' آپؐ کے جو معجزات آپؐ کے زمانے کے بعد ہوئے ہیں وہ کرامت کی شکل میں ہوئے' یعنی کرامت بزرگوں کی ہے لیکن ہے وہ آپؐ ہی کی عطا۔ خود ساختہ تزکیہ جو ہوتا ہے وہ تزکیہ نہیں ہوتا کہ روزے رکھیں تو تزکیہ ہو جائے گا' فاقہ کرنے سے تزکیہ ہو جائے گا' خواہش کے خلاف چلنا اور نفس کے خلاف جہاد کر لینا .... اس سے تزکیہ نہیں ہو گا اور جب اللہ عطا فرمائے تو تزکیہ ہو جاتا ہے۔ تزکیہ آپ کے لیے نیا مضمون ہے' آپ تزکیہ کرتے کرتے میٹھے ہو سکتے ہیں' اپنے آپ میں مٹھاس پیدا کریں گے'

خوبیاں پیدا کریں گے اور شہد کی مکھی کو پیدائشی طور پر شہد مل گیا ہے۔ قلبِ مطمئن حاصل کرنے کے لیے بڑے تزکیے کرنے پڑتے ہیں مگر یہ قلب پیدائشی عطا بھی ہے۔ گویا کہ آپ صرف اللہ سے رجوع کریں اور انتظار کریں تو آپ کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نیکی کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ ریا کاری کریں اور جب اللہ عطا فرمادے تو پھر نیکی ہی نیکی ہے۔ اس لیے آپ یہ کہنا کہ نیکی اس نے عطا فرمائی ہے اور بدی کو آپ اپنے ذمے لگانا۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے تاکہ کسی قسم کی کوئی گمراہی پیدا نہ ہو۔ تو آپ یہ کہیں کہ جو بدی ہوتی ہے یا زندگی میں جو تکلیف پیدا ہوئی ہے وہ میں نے پیدا کی ہے' راحت اور نیکی جو ہے وہ اس کی مہربانی ہے۔ اس کی سب سے بڑی مہربانی جس آدمی پر ہوئی ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کی محبت عطا فرماتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے آپؐ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں' حسن و جمال میں واحد ہیں' علم وفن میں واحد ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں واحد ہیں' واحد اس لیے ہیں کہ آپؐ کی ذات گرامی پر ہندوؤں نے نعت کہی ہے' نہ ماننے والے بھی آپؐ کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ اور یہ سب آپؐ کی اپنی توجہ سے ہی ممکن ہے۔ ایک بار کا واقعہ ہے شیخ سعدیؒ نے یہ لکھا کہ ؎

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

کتنے ہی دن گزر گئے مگر چوتھا مصرعہ نہیں آیا۔ بڑے پریشان ہوئے' پھرتے پھراتے رہے' روتے رہے' کہ چوتھا مصرعہ نہیں آرہا اور رباعی نہیں بن رہی۔

کہتے یہ ہیں کہ پھر ان کو حضور پاک ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا سعدی یہ کہو۔

صلوا علیہ و آلہ

تو چوتھا مصرعہ آپ کا اپنا ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے کہ آپؐ پر نعت کہی جارہی ہے۔ جامیؒ آج بھی آپؐ کی نگاہ کا فیض ہے، یہ فیض جامیؒ کا اپنا نہیں ہوسکتا، جامیؒ کے اندر جو رجوع ہے یہ حضور پاکؐ کا فیض ہے۔ خسروؒ جو ہے یہ حضور پاک ﷺ کی تربیت سے ہے۔ یہ سارے آپؐ کی نگاہ کے کرشمے ہیں۔ آج بھی بڑا آسان ہے، آپ نے صرف رجوع کرنا ہے، انتظار کرنا ہے، باقی سارا کام ان کا اپنا ہی ہے۔ تو آپ نے صرف رجوع اور انتظار کرنا ہے۔ اگر رجوع صحیح ہو، انتظار ہو اور آپ رات کے چراغ جلا کے بیٹھ جائیں تو خود بخود ہی رونق لگ جائے گی۔ اس لیے آپ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہونی چاہیے، آپ اپنے انتظار کو درست کریں، انتظار کو اللہ کے حوالے کریں، انتظار کو اللہ کے حبیبؐ کے حوالے کریں تو یہ حوالے ہی آپ کے لیے کافی ہیں، باقی صرف بتانے والے ہوتے ہیں اور حوالے نہیں ہوتے۔ بتانے والوں کی اس لیے عزت کی جاتی ہے کہ وہ اُدھر کی بات بتانے والے ہیں، اُسے بھی حوالے جیسی عزت دیتے ہیں ورنہ حوالہ وہ آپ ہی ہے۔ اس راستے میں جو زندہ انسان حوالہ بنتا ہے اگر وہ خود اعلان کرے کہ میں حوالہ ہوں تو وہ غلط ہو گیا۔ ہمارا رجوع یہ ہو کہ ہم اس کا اُس طرح شکر ادا کریں جس طرح اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یعنی محسن کے طور پر۔ ہم کہیں گے کہ وہ شخص حوالہ ہے تو یہ درست ہے اور وہ اگر خود کو حوالہ کہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ درست نہ ہو۔ اس لیے اس میں دعویٰ نہیں ہوتا .... تو اللہ تعالیٰ جس کو جو

چاہے عطا فرما دے۔ یہ سارے اس کے اپنے کام ہیں' اس کی قدرت تو دیکھو' کہیں وہ شہد کی مکھی کو شہد دے رہا ہے' کسی کو پرواز دے رہا ہے' کسی کو روانی دے رہا ہے' دریا کو روانی دے رہا ہے' پہاڑوں کو استقامت دے رہا ہے' آسمان کو قائم رکھا' زمین کو بچھونا بنایا' نیند کو راحت بنایا .... تو یہ اس کی قدرتیں ہیں اور پھر اللہ کا فرمان ہے کہ کیا میں وہ نہیں کرلوں گا جو تم چاہتے ہو' تم چاہو تو سہی ...... تو اصل بات دل میں خواہش کا صحیح ہونا ہے۔ کچھ لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی' کیا قیامت آ بھی سکتی ہے یا نہیں .... اللہ نے کہا یہ تم نے کیا سوال کر دیا' ایک بار پیدا کرنا میرے لیے مشکل نہیں تو دوسری بار کیا مشکل ہے۔ یہ جو اتنا کچھ بنایا اس کو توڑنا کیا مشکل ہے اور پھر کئی بار بنا لیں گے' ہم بنا سکتے ہیں' تم نے دیکھا نہیں کہ بہار کے بعد خزاں آ جاتی ہے اور پھر بہار آ جاتی ہے' تم بات کو سمجھے ہی نہیں' تم ایک باغ دیکھو جو لہلہاتا ہوا ہے' پھر ایک ہوا چل جاتی ہے اور خزاں کا موسم آ جاتا ہے' خزاں کیا ہے؟ ایک موسم کا نام ہے۔ اور بہار کیا ہے؟ ایک موسم کا نام ہے۔ تمہاری نیکی کیا ہے؟ موسم کا نام ہے۔ خودشناسی کیا ہے؟ موسم کا نام ہے۔ احسان کرنے والا کب ملے گا؟ اچھے موسم میں۔ تو یہ اُدھر سے آنے والے موسم ہیں۔ سب کچھ موسموں کے ساتھ چلتا ہے۔ جس طرح وقت بدلنے کا ایک موسم ہوتا ہے موسم بدلنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ یہ ایک خاص وقت ہوتا ہے۔ تو گھبرانے والی بات نہیں ہے' وہ وقت خود بخود آ جائے گا' چلتے چلتے اللہ کی مہربانی ہو جائے گی۔ جس طرح آپ کے خاموش گھر میں بیوی اور اولادیں آئی ہیں اسی طرح آپ کے باطن میں بھی روشنی آ جائے گی۔ آپ نے صرف یہ کرنا ہے کہ اپنے دل کو دنیا کی آرزوؤں میں مصروف نہیں کرنا' دنیا کی

آرزو سے دل خالی کرواور مطمئن ہو جاؤ۔ ہم نے حقیقت کی طلب کرنے والے بڑے طالب دیکھے' انہوں نے یہ کام کیا کہ بے آرزو ہو گئے اور اطمینان سے سو گئے کہ وہ مہربانی کرے گا۔ جب مہربانی ہو گئی تو جگا کے بھی مہربانی ہو گئی ۔ تو اللہ جس پر چاہے فضل کر دیتا ہے۔ انسان کے لیے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نیکی کی تمنا نیکی ہے' عرفان کی تمنا ابتدائے عرفان ہے اور جب لوگوں کا آپ کے دل میں احترام شروع ہو جائے تو سمجھو کہ آپ نیکی کے باطنی سفر پر چل پڑے۔ جب آپ سے گستاخیاں شروع ہو جائیں تو سمجھو کہ آپ باطنی سفر سے محروم ہو گئے۔ تو آپ کا یہ سفر خود بخود چل پڑتا ہے' کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے آپ صرف اپنے سفر پر چلتے جائیں' ادب کے ساتھ' احترام کے ساتھ' انتظار کے ساتھ' حسن انتظار کے ساتھ...... اللہ تعالیٰ کی کسی بات پر گلہ نہ ہو' اعتراض نہ ہو اور شکر ادا کرتے جاؤ تو زندگی کا کام پورا ہو جائے گا' مکمل ہو جائے گا.........

آخر میں سب کے لیے دعا کریں۔ یارب العالمین سب پہ کرم فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ سیدنا وسندنا ومولنا حبیبنا و شفیعنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّحمین۔

❁

ے

- برائے مہربانی اس شعر کا مطلب سمجھا دیں......
- ہم آپ سے کیا سوال کیا کریں؟
- اللہ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو لیکن جب دعا قبول نہیں ہوتی تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔
- ہم تو عادت کے طور پر اور سعادت کے لیے عبادت کرتے ہیں
- استغفار کے بارے میں کچھ بتا دیں۔

سوال:

برائے مہربانی اس شعر کا مطلب سمجھا دیں ؎

ہر مشکل دی کنجی یار و ہتھ مرداں دے آئی

مرد نظر کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

جواب:

اپنے شیخ، پیر کی تعریف کے باب میں یہ شعر کہا گیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب ان کی نگاہ ہو جاتی ہے تو مشکل نہیں رہتی۔ یا تو مشکل حل ہو جاتی ہے یا پھر مشکل کا عزم ختم ہو جائے، یعنی آرزو پوری ہو جائے یا آرزو ترک ہو جائے تو مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ کسی صاحبِ نگاہ کی طرف جانے والے ہیں، ابھی صرف ارادہ کیا ہے کہ صاحبِ نگاہ کو تلاش کرنا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنی آرزو لے کے نہ جاؤ بلکہ آرزو چھوڑ جاؤ۔ آرزو پوری کرنے والا آرزو ترک بھی کرا سکتا ہے اور پوری بھی کرا سکتا ہے لیکن جہاں آرزو پوری کرنے والے کا گمان ہو آپ اس سفر میں آرزو لے کے نہ جاؤ۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ اس مقام پر آرزو پوری ہونے کا امکان ہے تو وہاں پر خواہش کو نہ لے جانا۔ جب آپ کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا تقرب ملنے کا امکان

ہے تو تقرب کے وقت سوال کو غیر کردو، تقرب بذاتِ خود ہی کافی ہے اور تقرب سے ''حاصل'' نہ کرو۔ تو جب تعلق مل جائے، تقرب مل جائے، وہ ذات حاصل ہو جائے، آپ کو وہ سجدہ گاہ نظر آ جائے تو اس سجدہ گاہ سے آرزوئیں پوری نہ کرنا، سجدہ گاہ سے سجدے کا تعلق ہے، پیشانی کا تعلق ہے اور یہ کافی ہے۔ تو ان کے پاس ہر مشکل کی چابی ہوتی ہے اور یہ جن کا شعر ہے یعنی میاں محمد بخش صاحبؒ کا تو آپ ان کی آرزو کو دیکھیں، ان کی آرزو بلند ہے۔ اگر سفر ہو اللہ کی طرف اور سفر ہو عرفان کی منزل کے لیے تو اس سفر میں شیخ کامل کا تعاون ضرور ہوتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

تو لفظ ''گنج'' سے مراد خزانہ ہے اور وہ خزانوں کے مالک ہیں۔ مانگنے والا کہتا ہے کہ مجھے بھی پیسے دے دیں۔ تو ان کے پاس پیسوں والا خزانہ نہیں بلکہ نور کا خزانہ ہے، سرور کا خزانہ ہے، عرفان کا خزانہ ہے، وجدان کا خزانہ ہے اور ایمان کا خزانہ ہے۔ جس نے یہ شعر کہا تھا اس نے کیا خزانہ دیکھا تھا۔ تو جنہوں نے یہ شعر کہا تھا وہ خواجہ غریب نوازؒ ہیں اور انہوں نے ''گنج'' کا لفظ وہاں سے لیا ہے کہ

گنج مخفی بھی آشکار بھی تو
ہو ازل یا ابد تیری اقلیم
کب رقم ہو سکے ثنا تیری
راقم اشجار ہوں بجور رقیم

تو یہ ''گنج'' کی، خزانے کی تعریف ہے اور یہ لفظ ''گنج'' یعنی خزانہ وہاں سے لیا گیا کہ اللہ نے کہا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں گنجِ مخفی تھا۔ تو وہ گنج بخش ہے

یعنی مخفی خزانے سے دینے والا۔ اگر مخفی خزانہ لینا ہے تو اس کے لیے دل کی جھولی پھیلانی پڑے گی نہ کہ بینک کے حساب سے لینا ہے۔ اس لیے وہ آرزو لے کے جانی چاہیے جس آرزو کے بارے میں یہ کہہ سکیں کہ وہ آرزو عرفان کی ہے یا وجدان کی ہے۔ تو وہاں دنیاوی آرزو منع ہے جہاں پہ کوئی مشکل کی چابی رکھتا ہو۔ آپ کو تو پتہ نہیں ہوتا کہ کون سی چیز بہتر ہے اور کون سی چیز غلط ہے' عین ممکن ہے کہ آپ اسے ایسا کام بتا دیں جو آپ کے لیے مناسب نہ ہو۔ یہ بنیادی بات ہے کہ انسان کو گناہ اور نیکی پسند بھی ہیں اور مرغوب بھی' یعنی بدی اور نیکی دونوں پسند ہیں۔ اور یہ انسان کے وجود میں ہے۔ کوئی آدمی گناہ کو اذیت سمجھ کے نہیں کر سکتا' کوئی آدمی نیکی کو اذیت سمجھ کے نہیں کر سکتا۔ گویا کہ نیکی کرنے والا نیکی کو پسند کر رہا ہے' بدی کرنے والا بدی کو پسند کر رہا ہے اور ایک آدمی کبھی نیکی کو پسند کرتا ہے اور کبھی بدی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے جو پسند ہے اگر وہی آپ کا سوال ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ بدی ہو' تو پھر اس کی چابی اس بزرگ کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے پہلے یہ یقین ہونا چاہیے کہ آپ کی جو خواہشات ہیں' تمنائیں ہیں یہ نیک ہیں اور پھر آپ اس بزرگ سے نیک تمنا ہی مانگیں۔ اگر ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے حج کا سفر کرنا ہے' خود ہی طے کرنا ہے' بڑا پریشان ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس پیسے نہیں ہوتے۔ اگر اس پہ حج فرض نہیں ہے تو وہ پریشان کیوں ہے۔ اور وہ بلا وجہ پریشان ہے کہ میں نے حج ضرور کرنا ہے حالانکہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ پھر یہ ہوگا کہ اگر اس نے اللہ کا گھر ضرور دیکھنا ہے تو اپنا گھر بیچ کے دیکھ آئے گا۔ اگر اللہ کا گھر دیکھنا ہے اور اس کے ساتھ یہاں پہ ہی تعلق بن جائے تو یہ بھی اس کا ایک تقرب ہے۔ اگر کوئی یہاں سجدہ نہیں کرتا' نماز نہیں پڑھتا' عبادت نہیں کرتا تو

وہ کیا گھر دیکھے گا۔ تو جس آدمی کے پاس وسائل نہ ہوں اور اللہ کا گھر دیکھنا ہو تو وہ اپنے دل کو اللہ کا گھر بنائے۔ یہ نہ کرنا کہ ادھار مانگتے جاؤ، سوال کرتے جاؤ اور خیرات مانگتے جاؤ۔ تو شوق کی داستان اور طرح سے ہے۔ تو جب میاں محمد صاحبؒ نے کہا کہ ہر مشکل کی کنجی مردوں کے ہاتھ آئی ہے تو یہ دیکھنا کہ ان کی مشکل کچھ اور ہے اور آپ کی مشکل کچھ اور۔ اگر آپ کی مشکل بھی میاں محمد صاحبؒ جیسی ہو جائے تو پھر مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ نہ کرنا کہ آپ اپنی مشکلات کو میاں محمد صاحبؒ کی زبان میں حل کرنا شروع کر دیں۔ میاں محمد صاحبؒ جب اپنا سفر طے کر چکے تو پھر انہوں نے یہ شعر کہا۔

سوال:

ہم آپ سے کیا سوال کیا کریں؟

جواب:

آپ اپنا سوال پوچھا کریں۔ اگر آپ کسی کے مصرعے یا شعر سے سوال بناتے ہیں تو اس میں دقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہنے والے نے جس مقام سے وہ مصرعہ کہا ہے تو اس کا مقام دریافت کیے بغیر اس کو اپنی ضرورت کے لیے آپ استعمال کر جاتے ہیں۔ اگر اقبالؒ نے یہ کہا کہ

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

تو وہ یہ کہہ سکتا ہے۔ اب اگر اس مصرعے کو اقبالؒ سے کم ظرف کا آدمی استعمال کرے تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ تو کسی مصرعے یا شعر سے سوال نہیں بنانا چاہیے۔ سوال اپنے الفاظ میں اور اپنے حال میں بناؤ تا کہ آپ کے الفاظ کو اور حال کو جواب ملنا چاہیے۔ کسی اور نے کس وقت پر کیا کہا، یہ اس کے ساتھ رہنے دو۔

میاں محمد صاحبؒ نے جوارشاد فرمایا وہ ٹھیک فرمایا ہے' وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں کیونکہ وہ میاں محمد صاحبؒ کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح وارث شاہؒ نے جوفرمایا وہ ٹھیک ہے کیونکہ یہ وارث شاہؒ فرما رہے ہیں۔ آپ کے لیے یہ موقع ہے کہ آپ کے ذہن میں' آپ کی زندگی میں اور آپ کے خیال میں جو کوئی سوال ہو وہ حل ہونا چاہیے۔ اس لیے آپ سوال کریں لیکن ایسا سوال نہ کریں جو علم کا سوال ہو بلکہ اپنی ضرورت کا سوال کرو' وہ سوال کرو جو آپ کا ذاتی مسئلہ ہو' داخلی مسئلہ ہو اور وہ سوال آپ کے اندر اٹک رہا ہو۔ لوگ کیا کہتے ہیں' انہیں کہنے دو۔ صاحبِ حال کیا ہوتا ہے؟ ہونے دو۔ کہکشاں کسے کہتے ہیں؟ کہنے دو۔ آپ کا جو سوال اٹکا ہوا ہے وہ پوچھو۔ جو چیز آپ کی ذاتی زندگی میں اٹکی ہوئی ہے' آپ کو دقت ہو رہی ہے' اس کے متعلق آپ سوال کرو تاکہ آپ کو جواب مل سکے۔

اب آپ سوال پوچھیں...... بولیں۔

سوال:

اللہ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو لیکن جب دعا قبول نہیں ہوتی تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں.

جواب:

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو مجھے پکارے گا میں اس کا جواب دوں گا اور جو سوال کرتا ہے میں اس کی دعا پوری کرتا ہوں اور باری تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں نے ایسا کام کیوں کیا بلکہ میں نے تم سے پوچھنا ہے کہ تم نے ایسا کام کیوں کیا۔ اگر آپ نے یہ کہا کہ وہ اللہ ہے تو اگر مان لو تو بھی

وہ اللہ ہے اور اگر نہ مانو تب بھی وہ اللہ ہے' وہ آرزو پوری کرے یا نہ کرے' اس میں تشویش کی کوئی بات نہیں۔ دعا مانگنے کا جو طریقہ ہے آپ نے اُس طرح دعا مانگی۔ دعا کا معنیٰ ہے سوال۔ اللہ اگر سوال پورا کرے تو بھی وہ مالک ہے اور پورا نہ کرے تب بھی مالک ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات نہیں مانی تو تم اس کی بات مان لو۔ اس میں کیا دِقت ہے! اس کا مطلب ہے تم اس کی بات نہیں مانتے۔ اگر اللہ کو وہ بات منظور نہیں ہے تو پھر آپ منظور کر لیں کیونکہ آپ انسان ہیں۔ اگر نہیں' تو پھر نامنظور کر کے دیکھو۔ یا اس کی بات منظور کر کے دیکھو یا پھر نامنظور کر کے دیکھو۔ آدمی تو بے بس ہے۔ اس بات پہ غور کرو۔ آپ کے ذہن میں ایک مسئلہ ہوتا ہے' جس کی خاطر' جس مقصد کی خاطر یا جس شخص کی خاطر یا اپنی اَنا یا خوشی کی خاطر' یعنی جس کی خاطر آپ زندگی گزار رہے ہیں دراصل اس کی خاطر آپ زندگی قربان کر رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ زندگی کسی غیر اللہ کے لیے قربان نہ ہو۔ خواہش جو ہے یہ بھی ایک مخلوق ہے اور یہ غیر اللہ بھی ہوسکتی ہے۔ تو جس کی خاطر آپ زندگی گزار رہے ہیں' جس آرزو کی خاطر زندگی گزار رہے ہیں' جس شخص کی خاطر زندگی گزار رہے ہیں' اصل میں آپ زندگی اس کے نام پر قربان کر رہے ہیں۔ اگر قربان ہونے والی یہ زندگی اللہ' اللہ کے حبیب ﷺ یا ان کے متعلقین کے علاوہ نکل آئی تو یہ زندگی خسارے میں چلی گئی۔ زندگی تو آپ نے ضرور گزارنی ہے اور پھر زندگی دے کے جانا ہے' یہ قرضہ ادا کر کے جانا ہے۔ آپ ایک مثال سے یوں سمجھ لو کہ بے شمار دروازے ہیں جو بند ہیں' پتہ نہیں کون سا دروازہ کھلنے والا ہے' ان میں سے ایک صحیح راستہ ہے جو اللہ کی طرف جانے والا ہے' آپ گھر سے چل پڑے ہیں' ایک راستے سے ہی آپ کی فلاح ہے۔ اب

آپ کسی بھی راستے پر اگر سر جھکا دیں گے تو اس وقت تک فلاح نہیں ملے گی جب تک وہ راستہ اللہ کا نہ ہو۔ اس لیے اس کو قریب سے دیکھو۔ اگر آپ کو اللہ کریم کی ذاتی طور پر سمجھ نہیں آئی تو پھر آپ شریعت کے ذریعے دیکھو، اگر شریعت کی رُو سے آپ کو سمجھ نہیں آتی تو پھر طریقت میں دیکھو، اگر طریقت کی بھی سمجھ نہیں آتی ہے تو پھر ماں باپ میں دیکھو، ماں باپ سے بھی سمجھ نہیں آتی ہے تو پھر کسی اور بڑے سے پوچھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ زندگی جو آپ نے نثار کرنی ہے وہ کہیں اللہ کے علاوہ کسی اور پر نثار کر دیں۔ مثلاً وہ کسی جذبے پر بھی نثار کر سکتے ہیں جیسا کہ کشمیر کو پاکستان میں ملانا چاہتے ہیں۔ آپ ضرور ملا لیں کیونکہ یہ بہت نیک جذبہ ہے، اس میں وطن کی محبت ہے، یہ سب بجا ہے لیکن یہ اللہ تو نہیں ہے۔ تو وہ جو جذبہ اللہ کے لیے ہے جس کو آپ شہادت کہتے ہیں وہ پھر ایک اور مقام ہے، وطنیت، وطن پرستی اور حب الوطنی اچھی بات ہے، یہ نیکی ہے، ایمان بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ عرفانِ حقیقی نہیں ہے۔ اولاد کی خاطر انسان جان نثار کرتا ہے، محنت کرتا ہے لیکن وہ تو اولاد ہے اور اللہ تو نہیں ہے۔ ماں باپ کے لیے بھی انسان سب کرتا ہے، یہ نیکی ہے، ان پر آپ کا ایمانِ کامل ہے لیکن یہ اللہ تو نہیں ہے۔ اس لیے آپ جو زندگی گزار رہے ہیں اسی میں سے وہ ایک Thread نکال لو کہ آپ اللہ کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ جس کی خاطر آپ زندگی گزار رہے ہیں دراصل اسی کے لیے آپ جان قربان کر رہے ہیں اور عین ممکن ہے کہ اس میں آپ کا اپنا ہی کوئی منشاء نکل آئے۔ آپ اللہ کو اپنے انداز سے دریافت کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے انداز سے سفر کرانا چاہتا ہے۔ سب سے بڑا یہی فرق ہے۔ اگر تو نیکی باعثِ لطف ہوتی اور گناہ اگر ناپسند کیا جاتا اور یہ ہر ایک کے لیے ہوتا، تو کوئی بھی

گناہ نہ کرتا۔ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نیکی جو ہے وہ تلخ ہوتی ہے اور گناہ جو ہے وہ شیریں ہوتا ہے۔ تو اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو پھر پہچان کی ضرورت ہے' اسی لیے تو کسی آدمی کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اسے شہد سمجھ کے کھاتے رہو اور وہ زہر نکل آئے۔ اس لیے پیغمبروں کے قدم جو اللہ کریم کے حکم کے عین مطابق ہوتے ہیں ان کو بھی قدم قدم پر احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اپنی زندگی میں جو خواہش آپ اپنا فرض سمجھ کے پورا کر رہے ہیں عین ممکن ہے کہ وہ آپ کا فرض نہ نکلے۔ لوگ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اولاد کی خدمت کرنا فرض ہے لیکن اللہ نے یہ بھی کہا ہے میری محبت کے بعد اولاد کی محبت تم پر فرض ہے۔ تو پہلے اللہ کی محبت ہے مگر آپ کہتے ہیں کہ اس سے ہم بعد میں محبت کر لیں گے مگر پہلے یہ فرض پورا کر لیا جائے۔ تو یہ لذت ہے اور یہ فرض نہیں ہے' یہ آپ کی مجبوری ہے اور یہ فرض نہیں ہے۔ جب تک آپ فرض بتانے والی ذات کو دریافت نہیں کرتے تو وہ بات فرض نہیں ہو گی۔ تو جو اللہ نے فرض کیا ہے کہ مجھ سے محبت کرو' میرے حبیب پاکؐ سے محبت کرو اور پھر یہ بات تمہاری زندگی میں فرض ہے اگر آپ پہلے دو آئٹم نکال دیں اور تیسرا فرض پورا کریں تو وہ فرض ہی نہیں ہے بلکہ وہ غیر ہے۔ فرض وہ ہے جب آپ نے فرض بنانے والے کا کہنا مانا ہے اور اگر کہنے والے کو نہیں مانا تو فرض کہاں سے ہے۔ بعض اوقات زندگی حکم دیتی ہے' تو زندگی کا حکم ماننا' زندگی کی مجبوریوں کو ماننا فطرت کے ساتھ تو وابستگی ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ فاطر کے ساتھ وابستگی ہو۔ اگر نیند آئی ہے تو سو جانا فرض ہے' اس لیے سو جاؤ۔ یہ کیا ہے؟ یہ آپ فطرت کے مطابق چل پڑے' فاطر اس سے خوش ہو سکتا ہے لیکن آپ نے

فاطر کی خدمت نہیں کی یعنی فطرت پیدا کرنے والے کی۔ اسلام نے سب سے آسان نسخہ بتا دیا کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا مانو اور اپنی آرزوؤں میں سب سے بلند آرزو اللہ کی رکھو۔ اس کا حکم ماننا، اس سے محبت رکھنا اور اس نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے ذریعے جو دین عطا فرمایا ہے اس دین کو اولیت دینی ہے۔ اب آپ اپنی خواہش کو دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ سارے واقعات بدل گئے۔ مثلاً ماں باپ کی محبت اور خدمت ضروری ہے۔ اور فرض یہ ہے کہ آپ کہیں ''میرے باپ آپؐ پر نثار''۔ تو یہاں پر فرض بدل گیا کہ جب آپ اللہ کے حبیب پاک ﷺ کا ذکر کرتے ہیں تو پھر آپ کہتے ہیں کہ ''میں اور میرے ماں باپ آپؐ پر نثار''۔ اس لیے آپ Otherwise جو فرض کر رہے ہیں وہ فرض بھی وہاں پر نثار ہے۔ اس لیے آپ کو جب تک یہ ترتیب سمجھ نہ آئے تب تک اپنی آرزوؤں کو بہت پہرہ نہ دو کہ یہ نیکی ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ تو عین ممکن ہے کہ ایسی نیکی آپ کے نفس کی لذت ہو۔ تو آپ پہلے اللہ کی اطاعت کو سامنے رکھیں اور پھر کوئی کام کریں مگر آپ پہلے کام کرتے ہیں اور اطاعت بعد میں، Sanction آپ اللہ سے لیتے ہیں اور کام آپ کا غیر اللہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ان باتوں کو چھوڑ کر اللہ کی خدمت میں لگ جائیں۔ تو دنیا کے جس کام میں آپ لگے ہوئے ہیں آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ آگے اس کا کیا نتیجہ نکلے گا، یا وہ اَنا نکلے گی یا نفس نکلے گا یا کوئی فانی شے نکلے گی۔ اس لیے اس بات کا بڑا خیال رکھنا کہ کیا وہ واقعی آپ کے لیے اللہ ہے۔ پھر آپ کے لیے مسئلہ آسان ہو جائے گا کہ یہ جو زندگی آپ نے حاصل کی ہے، جس کے حکم پر آپ وہ زندگی چھوڑ سکتے ہیں وہی آپ کا محبوب ہوگا۔ آپ آرزو تو چھوڑتے نہیں اور اللہ اللہ

کرتے جا رہے ہیں۔ تو پھر کیا بات بنی۔ ایک معمولی سی آرزو نہیں چھوڑتے' اس کے اوپر فرض کا پہرہ لگایا ہوا ہے' ضرورت کا پہرہ لگایا ہوا ہے' اور مجبوری کا پہرہ لگایا ہوا ہے۔ اگر اللہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو اسے چھوڑ دو۔ انسان کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہی کام نیکی ہے اور وہی کام گناہ ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ اسے ناپسند کر دے تو وہ نیکی نہیں رہے گی۔ اللہ کی پسند کو نیکی کہتے ہیں اور اس کی ناپسند کو گناہ کہتے ہیں۔ تو جو وہ پسند کرے وہ نیکی ہے اور جو اس کو پسند نہ ہو وہ نیکی نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی اللہ کی طرف اپنی نیکی کے انداز سے جا رہا ہے اور اللہ کو بات پسند نہیں آئی تو وہ نیکی نہیں ہے۔ مثلاً دنیا کے انداز سے آپ نیکی کر رہے ہیں' آپ مسجد بنا رہے ہیں' مسجد بھی اچھی بنا رہے ہیں' اسلام کی خدمت کے لیے تعمیر ہو رہی ہے اور اگر اللہ کو وہ پسند نہیں آئی تو کیا یہ نیکی ہے۔ یہ نیکی نہیں ہے۔ تو ثابت یہ ہوا کہ بظاہر نیک عمل اگر نیت سے باہر ہو جائے تو وہ نیک نہیں ہے۔ تو آپ اپنے اللہ کی طرف جانے سے پہلے اپنی نیت کو غور سے دیکھ لو' اس کا جواز کسی کو نہ دینا بلکہ اپنے دل سے پوچھ لو۔ یہ سوچنا چاہیے کہ یہ جو آپ حج کرنے جا رہے ہیں اس کے پیچھے شوق کیا ہے اور یہ جو نیکی کر رہے ہیں اس کے پیچھے محرک جذبہ کیا ہے۔ اگر جذبہ اللہ کے لیے ہے اور کوئی اللہ والا کہے کہ اسے چھوڑ دو تو آپ چھوڑتے نہیں۔ فرض کرو یہ کہا جائے کہ تبلیغ کرنا چھوڑ دو کیونکہ اس کے ذریعے جھگڑا پیدا ہو رہا ہے تو آپ تبلیغ نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے نہیں کرتا وہ اللہ کے فرمان کا پاسبان نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے فرمان کا وہی پاسبان ہے جو یہ تمیز کر سکے کہ "اب تک مجھے تم پر اللہ کے نام کا غصہ

تھا' اب میرا ذاتی غصہ شامل ہو گیا ہے' تو میں نے تمہیں رہا کر دیا''۔ اگر اتنی پہچان ہو تو پھر بات سمجھ آتی ہے کہ وہ جو اللہ کے نام کی بات کر رہا تھا اور جب دوسرے نے گالی دے دی تو اس نے چھوڑ دیا اور کہا کہ ''اب میں اس قابل نہیں رہا کہ میں تمہیں اللہ کی بات بتاؤں کیونکہ میں ذاتی نفس کے اندر آ گیا ہوں' ذاتی غصے میں آ گیا ہوں''۔ اور آپ کے ہاں تو ذاتی غصے اور ذاتی نفرتیں چل رہی ہیں۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو سب سے پہلے اللہ کے حوالے کرو' پھر آپ دیکھنا کہ آپ کے دل میں کیا سوالات پیدا ہوتے ہیں اور کیا واقعات ہوتے ہیں۔

یہ میں نے سوال کا طریقہ بتایا ہے کہ سوال کیا کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آرزو کو پورا کرنے کا سوال کر دو حالانکہ اگر آرزو کو چھوڑ دو تو بھی یہ حقیقت ہے اور آرزو پوری ہو جائے تو بھی یہ حقیقت ہے۔ اگر ایک آرزو پوری ہو گئی تو پھر آپ کیا کریں گے؟ پھر ایک اور خواہش بیان کر دیں گے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ نے دعا پوری نہیں فرمائی تو ٹھیک ہے' اگر دعا پوری کر دے تو بھی ٹھیک ہے اور پوری نہیں فرماتا تو بھی ٹھیک ہے۔ پہلے تو اللہ کو راضی کرنا ہے' خود کو بعد میں راضی کرنا۔ اس لیے آپ اپنی آرزوؤں کی پرواہ نہ کیا کرو' اگر پوری نہیں ہوئیں تو عین ممکن ہے کہ یہی بہتر ہو' عین ممکن ہے کہ یہی ضروری ہو کیونکہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آنے والے زمانے میں کیا ہونے والا ہے۔ آج اگر آپ لوگوں سے پوچھیں تو جن باتوں پہ ان کو کسی زمانے میں مسرت ہو رہی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ باتیں گناہ تھیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ کی جس بات پہ کہنا ماننا مشکل ہو رہا تھا وہی بات آپ کے لیے بہتر نکلی۔ اس طرح آج کی آرزو کو

آپ پورا کرنے میں جلدی کر رہے ہیں اور عین ممکن ہے کہ اس کا پورا ہونا آپ کے لیے بہتر نہ ہو۔ بچپن سے ہی آپ یہ کر رہے ہیں کہ کبھی یہ آرزو پوری کر لو' کبھی وہ آرزو پوری کر لو' بزرگوں سے آپ کہتے ہیں کہ آپ بڑے ولی اللہ ہیں' آپ میری یہ خواہش پوری کر دیں۔ تو خواہش پوری کرانے کے لیے کسی کو ولی بنانا بذاتِ خود Dishonesty ہے۔ اسی طرح لوگ جا کر کہتے ہیں کہ آپ سرکار ہیں' گنج بخش ہیں' مجھے اتنا سا Amount چاہیے۔ مگر وہ اس طرح نہیں دیتے۔ اگر آپ انہیں ''گنج بخش'' مانتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو غریبی کا ''گنج'' دیں' خزانہ دیں۔ آپ خود دیکھو کہ دنیا میں موسم بدلتے رہتے ہیں' انسان پیدا ہوتے ہیں' مرتے رہتے ہیں' دوسرے واقعات ہوتے رہتے ہیں' تو کیا پھر تیرے کام نہیں ہوں گے۔ زمین چکر میں ہے' آسمان گردش میں ہے' سارے واقعات ہو رہے ہیں' چیونٹیوں سے لے کر کہکشاں اور آسمان تک سارے واقعات ہو رہے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ جب تک آپ اللہ کو یاد نہیں کرائیں گے آپ کا کام نہیں ہو گا۔ اگر آپ یہ سب اللہ کے حوالے کر دیں تو سب واقعات ٹھیک ہو جائیں گے جس طرح پہلے ہوتے رہے ہیں۔ اب درمیان میں خواہش کا ضرورت کے ساتھ جو الجھاؤ ہے وہ آپ نکال دیں۔ یہ چھوٹا سا کام ہے اور یہیں پہ مچھلی کو کانٹا لگا ہوا ہے۔ تو آپ خواہش کو ضرورت سے الگ کر دیں تو پھر اللہ بہتر کرے گا۔ پھر خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ یہ کہیں کہ میں نے اپنی آرزوئیں اللہ کے حوالے کر دیں' وہ پوری کرے تو ہم راضی ہیں اور نہ پوری کرے تو بھی ہم راضی ہیں۔ تو آپ یہ کہہ دیں۔ اگر آپ یہ کہہ دیں کہ میں نے آج کی آرزوئیں اور آنے والی آرزوئیں سب اللہ کے

حوالے کردیں تو اب آپ کے لیے دعا کا مقام آسان ہو گیا بلکہ دعا کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ تو آپ کو یہ مقام چاہیے۔ محبت والوں کے لیے اور چیز فرض ہے اور دنیا والوں کے لیے اور فرض ہے۔ مثلاً عام انسان کے لیے کھانا کمانا فرض ہے لیکن جس کو دیدار کی تمنا ہو اس کا فرض کچھ اور ہے' اس کے لیے اور ضروریات ہیں۔ جیسے کوئی شخص شاعر بن جائے یا رائٹر بن جائے تو اس کے لیے جاگنا فرض ہو جاتا ہے اور باقیوں کے لیے سونا فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح جس کے دل میں دنیا دیکھنے کی خواہش ہو اس پہ سیر فرض ہو جاتی ہے اور باقیوں کے لیے ٹھہرنا فرض ہو جاتا ہے۔ جب آپ نے تعلق بدل دیا تو پھر آپ کے فرائض بدل جاتے ہیں۔ اگر آپ نے تسلیم کرنا سیکھ لیا تو پھر آپ کے فرائض کوئی نہ رہ گئے کیوں کہ آپ نے تسلیم کرنا ہے۔ خود کو تسلیم کرانے کی تمنا کو ذرا مدھم کر دو اور تسلیم کرنے کی تمنا رکھو۔ اس لیے آپ ایسے انسانوں کو تلاش کریں یا ایسے انسان بن جائیں جو اللہ کو ماننے والے ہوں۔ جس طرح کہتے ہیں کہ آرزوؤں کے بہت سے دروازے ہیں لیکن ایک دروازہ ہو گا جو پار لے جائے گا۔ لوگ بچوں کے لیے محنت کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان کا مستقبل بچوں کے ذریعے جاری رہے گا' مکان اس لیے بناتے ہیں کہ آپ کا نام باقی رہ جائے گا۔ عام لوگوں کے ساتھ نیکی اس لیے کرتے ہیں کیونکہ اس طرح ہمارا اللہ راضی ہو جائے گا لیکن آپ براہِ راست اللہ کو راضی کیوں نہیں کرتے۔ بس طریقت یہ ہے کہ آپ براہِ راست اللہ کو ڈھونڈیں۔ براہِ راست کیسے ڈھونڈنا ہے؟ آپ کا اللہ کے ساتھ جو الجھاؤ ہے وہ دور کر دو' آپ اس کی بات مان جاؤ' مدت سے آپ اگر ایک سوال کر رہے ہیں اور وہ سوال پورا نہیں ہو رہا تو آپ کہیں کہ میں نے سوال واپس لے لیا' جو

تیری رضا ہے تو کر، ہم راضی ہیں، ہم ہر حال میں راضی ہیں۔ جب آپ یہ کر لیں گے تو آپ کے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے۔ پھر مسئلے حل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ویسے یہ ٹھیک فرمایا گیا ہے کہ ہر مشکل کی چابی اُن کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تو جس کے پاس مشکل کی چابی ہو اس کے سامنے مشکل بیان نہ کرنا۔ یہ بھی نہ کہنا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اب دیدار ہو جائے، ہم اللہ کے بہت قریب ہو جائیں، دو چار کام رہتے ہیں اس کے بعد ہم اللہ کے قریب ہو جائیں گے...... یہ بھی دھوکا ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ پہلے وہ آپ کے دو چار کام کرے اور پھر آپ کو اپنے قریب کرے، اس کی مرضی ہے وہ کام کرے یا نہ کرے۔ اس لیے کام ہوں یا نہ ہوں، اگر قرب کی خواہش ہے تو آپ کو ابھی سے ہونی چاہیے لیکن آپ کہتے ہیں کہ یہ دو چار کام ہو جائیں، یہ اللہ نے خود فرائض رکھے ہوئے ہیں......

اب اور سوال کر لیں۔ سوال اس لیے کرتے ہیں کہ دین میں کوئی ابہام نہیں ہے، خیر کا بھی پتہ ہے اور شر کا بھی پتہ ہے، وضاحتیں ہو چکی ہیں۔ اگر ایک بچہ پانی میں تیرنے کے نام پر ڈوبنے لگے تو اس کے پاس نگران ہونا چاہیے۔ تو اتنی سی بات ہے کہ آپ اپنا ایک نگران ڈھونڈ لیں، تیرنا آپ نے اللہ کے فضل سے خود ہی ہے، نگران اس لیے ڈھونڈنا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں غلطی سے آپ کے پاؤں ڈگمگا جائیں۔ کیونکہ اس میں خواہش کا سفر ہوتا ہے، نیکی بھی اپنے اندر ایک عجب راز رکھتی ہے کہ بعض اوقات نیکی کے نام پر غلطی ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر جانے والا، تبلیغ کرنے والا بعض اوقات اپنی شوکت بیان کر جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس بہت بڑا علم آ گیا اور یہاں سے نفس کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایک ایسا نگران رکھنا چاہیے جو آپ کو ساتھ ساتھ بتاتا جائے کہ یہ

نیکی تو اپنے نفس کی خاطر کر رہا ہے اور یہ اللہ کی خاطر نہیں ہے' تو یہ جو بظاہر نیکی ہے یہ نیکی نہیں ہے' یہاں سے بچ جاؤ' یہاں سے یہ ایک موڑ ہے' آگے خطرہ ہے۔ تو یہ بتانے والا ہونا چاہیے۔ ان کا چونکہ کام ہی یہ ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے آسانی ہے اور آپ کے لیے بھی سفر آسان ہو جائے گا' وہ اس راستے کا ایک سگنل ہوتا ہے' اس لیے آپ کو راستہ مل جائے گا۔ بڑے بڑے مقام پر بھی وہ اگر کہے تو دعا مانگ لینی چاہیے اور اگر وہ کہے کہ دعا نہیں مانگنی تو پھر دعا نہیں مانگنی چاہیے ہر چند کہ وہ دعا منظور ہونے کا مقام ہوتا ہے۔ دنیا میں بے شمار ایسے واقعات ہوئے ہیں' مثلاً بزرگ نے کہا کہ تم وہاں جا کے دعا نہ مانگنا کیوں کہ وہاں پر دعا منظور ہوتی ہے۔ مرید نے کہا اب یہاں آئے ہوئے ہیں تو دعا مانگ لیتے ہیں۔ اس نے دعا مانگی اور پھر دعا منظور ہوگئی' دعا کی تاثیر میں اسے بیٹا مِلا' بڑا ہوا تو عین جوانی کے عالم میں حادثہ ہو گیا اور وہ فوت ہو گیا۔ اس طرح وہ شخص غم سے پاگل ہو گیا اور پھر اپنے بزرگ کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہاں دعا نہ مانگنا۔ حالانکہ یہ معمولی سی بات ہے لیکن جب تک آپ باتوں کو سمجھتے نہیں ہو تو فرائض کا سفر بھی خطرناک ہے' بے تعلق فرائض سے اصلاح نہیں ہوتی۔ اسلام کے نام پر بغیر تعلق کے انسان عبادت کرتا جائے اور مفہومِ عبادت سے غافل ہو' محبت سے غافل ہو اور منشائے ایزدی سے غافل ہو تو وہ صرف گنی ہوئی چیزوں کو عبادت سمجھ رہا ہے اور دل اسی طرح سخت ہے' ٹھوس ہے ثم قست قلوبکم ۔ پھر وہ ظالم ہو جاتا ہے لیکن عبادت پوری کرتا ہے۔ اس لیے کسی نگران کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ آپ کی عبادت کے ساتھ آپ کے دل میں رحم بھی پیدا کر دے اور محبت داخل ہو جائے۔ خالی اصولوں پر زندگی گزر نہیں

سکتی' اصول نقصان بھی دیتے ہیں۔ صرف وزن سے زندگی نہیں گزر سکتی اس لیے کبھی کبھی وزن کے بغیر بھی زندگی گزارنی چاہیے' وزن کا مطلب ہے ماپی ہوئی زندگی۔ اگر ماپی ہوئی زندگی ہوئی تو آپ کے گناہ زیادہ نکلیں گے' اور اگر پیمائش کے لحاظ سے گناہ زیادہ نکلے تو آئندہ نیکی کیا ہوگی۔ تو اس طرح تو گناہ زیادہ ہوں گے۔ اور اللہ کا فرمان ہے کہ جس کو ہم چاہتے ہیں بے حساب دیتے ہیں اور یہ کہ ہم معاف کرنے والے ہیں۔ تو یہاں پر استغفار کا مقام ہے۔ اس لیے اگر آپ کو استغفار کا علم آ گیا تو آپ گناہ سے نجات پا گئے اور اس عبادت سے بھی نجات پا گئے جو عبادت آپ نے اپنے نفس کی خاطر کی' جو آپ نے ریاکاری کے طور پر کی۔ انسان شروع میں بڑی لمبی لمبی تسبیح اپنے پاس رکھتا ہے۔ تو اس ریاکاری سے آپ بچ جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو محفوظ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ میں دے دیا جائے تاکہ وہ جہاں سے روکے وہاں آپ رک جاؤ اور اگر کہے کہ چل پڑو تو چل پڑنا۔ اپنے آپ کو خواہش کے ہاتھ میں نہ دینا' یہ بڑا نقصان ہے' خواہش تباہ کر دے گی۔ آپ نے تو خواہش کا نام ضرورت رکھا ہوا ہے۔ ضرورت بھی دھوکا دے جائے گی۔ اس لیے آپ اپنی ضرورت خود ہی بن جائیں۔ اپنے آپ کا احترام کرو اور پھر یہ احترام قائم رکھنے کے لیے آپ کو ضرور کسی کی ضرورت ہوگی' اس طرح یہ سفر شروع ہو جائے گا۔ تو ایسی ہستی کو دریافت کرو جو آپ کو واقعی آپ کا احترام ڈھونڈ کے بتائے اور یہ کہ آپ کی ضرورت کیا ہے ورنہ آپ پریشان ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ ہستی آپ کو روکے تو رک جانا اور کہے کہ چل پڑو تو چل پڑنا۔

سوال:

ہم تو عادت کے طور پر اور سعادت کے لیے عبادت کرتے ہیں.

جواب:

عبادت کو سعادت کی خاطر نہ کرنا بلکہ عبادت معبود کی کرنا' اللہ کی کرنا' عادت کی عبادت نہ کرنا' آپ نے شریعت کی نماز نہیں پڑھنی بلکہ آپ نے اللہ کی نماز پڑھنی ہے۔ عبادت اللہ کی محبت میں کرو اور شریعت کے خوف سے نہ کرو۔ عبادت خوف سے نہیں بلکہ شوق کے ساتھ کرنا۔ تو عبادت وہ ہے جو اللہ کی محبت میں کی جائے' Pure اللہ کی محبت میں کرنا۔ محبت جو ہے یہ اپنا بدلہ نہیں مانگتی' اپنا انعام نہیں مانگتی۔ محبت والا یہ نہیں کہتا کہ یا اللہ میں نے تیری عبادت کی ہے لہٰذا میری دعا قبول فرما۔ محبت صرف محبت ہے۔ تو اللہ کی عبادت اللہ سے محبت کی وجہ سے کرنا اور یہ کہ خوف سے نہ کرنا۔ اصل ذات تو اللہ ہے' اس لیے اللہ کے نام کی عبادتِ اللہ کے حبیب ﷺ کے کہنے پر کرو۔ جب یہ دونوں محبتیں آپ کو سمجھ آ گئیں تو پھر آپ کی عبادت کا نام شریعت ہے۔ اگر صرف شریعت کے لیے عبادت کرو گے تو پھر آپ صرف کتابیں پڑھتے رہ جاؤ گے۔ اس لیے اللہ کی محبت میں' اللہ کی عبادت' اللہ کے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنا اور اللہ کے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے لفظ پر کسی اور لفظ کو ترجیح نہ دینا۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اللہ کے حبیب پاک ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے علاوہ اپنے آپ پر سب راستے بند کر دو' وہ راستہ ممکن ہو تب بھی بند کر دو' کوئی یہ کہے کہ یہ راستہ ہے تیری فلاح کا اور نجات کا تو اس کی بات نہ ماننا' دین کو بیچ کے دولتِ

دنیا نہ لینا' اگر وہ مل بھی گئی تب بھی کسی کام کی نہیں ہوگی۔ اس لیے دولت آپ کو موت سے نہیں بچا سکتی' دولت آپ کو دوزخ سے نہیں بچا سکتی' آپ دھیان کرو' دولت کی تمنا بھی نکال دو اور اللہ کی محبت میں سفر کرو۔ یہ مختصر زندگی ہے اور بہت ہی مختصر زندگی ہے' کافی ساری تو گزر گئی ہے' باقی پتہ نہیں کتنی رہ گئی ہے۔ آپ دل سے طے کر لیں کہ ہم سچے اللہ کو مانتے ہیں جس کو جانتے بھی نہیں ہیں۔ بس اپنا ذہن صاف کر لو' یہ کہو کہ ہم اس اللہ کو مانتے ہیں جس کا پتہ نہیں کہ وہ ہے کہاں' وہ بہت قریب بھی ہے اور بہت دور بھی ہے' کبھی پاس سے گزر جاتا ہے اور کبھی دور کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہے بھی کہ نہیں ہے' یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی آسمانوں تک اسے تلاش کرنے گیا لیکن اللہ نہیں ملا اور کوئی زمین پر رہ کر بھی اللہ کا تقرب حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے اللہ کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی جا سکتی۔ اللہ آپ کی دریافت نہیں ہے' اللہ وہ ہے جو اللہ کے حبیب پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کے حبیب ﷺ سے اس حد تک محبت ہو کہ آپؐ کی بتائی ہوئی ہر بات پر دنیا کی کسی بات کو کوئی فوقیت نہیں ہے' دنیا کے کسی آدمی کی کسی بات کو فوقیت نہیں ہے۔ اگر ایک مبلغ کہتا ہے کہ سچ بولنا چاہیے اور وہ راہنما ہے اخلاقیات کا یعنی سوشل ریفارمر۔ حضور پاک ﷺ بھی فرماتے ہیں کہ سچ بولنا۔ تو یہ شخص جو سچ بولنے کا کہتا ہے اور حضور پاک ﷺ جو سچ بولنے کا فرماتے ہیں' ان میں بڑا فرق ہے۔ تو سچ صرف وہ بولنا جو حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اور باقی سچ بولنے والے سارے جھوٹے ہیں۔ اس لیے ہمیں جو تبلیغ' تعلیم یا صداقت آپؐ کی زبان کے ذریعے مل رہی ہے ہم اس کو صداقت کہتے ہیں۔ اور باقی لوگوں کا لفظ وہی ہے لیکن وہ کسی اور زبان سے ہے اور یہ اتنا پاکیزہ نہیں رہتا جتنا آپؐ کی زبان

سے ہے۔ اس لیے یہ یاد رکھنا کہ جو حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا وہی صداقت ہے اور وہی حقیقت ہے اور آپ اس پر چلنا۔ بس یہی ہمارا مذہب ہے۔ باقی رہ گئی یہاں رہنے کی آرزو تو وہ تو کبھی پوری نہیں ہوئی۔ اللہ نے بار بار مثالیں دی ہیں کہ دنیا میں دولت حاصل کرنے کی خواہش کبھی نیک نامی نہیں بنی، زیادہ دولت کی خواہش گمراہی ہے، دبدبے کی خواہش گمراہی ہے اور ہمیشہ ٹھہرنے کی خواہش بھی گمراہی ہے۔ اس لیے اگر آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا ہے تو اس دنیا سے نکلنے کا راستہ دریافت کر لو۔ زندگی میں محبت ہی ایک راستہ ہے اور محبت کا مرکز اللہ کے محبوب ﷺ ہیں۔ عبادت اور چیز ہے، عبادت ان کی خوشنودی ضرور ہے لیکن یہ آپ کی محبت نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے حکم فرمایا کہ تم عبادت کرو تو ہم عبادت کرتے جا رہے ہیں اور جب تک زندہ ہیں ہم کرتے جائیں گے اس لیے کہ یہ ان کی خوشنودی ہے یعنی اللہ کی اور اللہ کے محبوب ﷺ کی۔ لیکن محبت جو ہے یہ آپ کے لیے رحمت ہے، دین سے محبت بھی غیر ہے اور یہ صرف اللہ سے ہونی چاہیے، اللہ کے محبوب ﷺ سے ہونی چاہیے۔ بظاہر یہ بات مشکل ہے، لیکن محبت صرف اللہ اور اُس کے محبوب ﷺ سے ہونی چاہیے۔ تو یہ محبت ہی دین ہے۔

اب کوئی سوال ہو تو پوچھیں۔ بولیں......

سوال:

استغفار کے بارے میں کچھ بتا دیں۔

جواب:

استغفار یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری کسی بات سے ناراض ہے تو ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں وہ چیز معلوم ہے یا نہیں معلوم، ہم نے کی ہے کہ نہیں کی ہے،

ہمارے علم میں ہے کہ نہیں ہے' اگر اللہ ناراض ہے تو ہم توبہ کرتے ہیں اور اللہ راضی ہے تو ہم شکرادا کرتے ہیں۔ اس لیے اگر اللہ ناراض ہو تو استغفر اللہ کہو۔ پھر دل میں خود بخود بات سمجھ آجاتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنا کہ اللہ راضی ہو جائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کو پیسے مل جائیں' عین ممکن ہے کہ راضی ہو کے سارا کچھ لے جائے۔ اس لیے اللہ کی رضا مندی کو دنیاوی طور پر نہ دیکھنا۔ اگر آپ کا دل اطمینان میں ہے تو اللہ راضی ہے اور دل پریشان ہے تو آپ سمجھو کہ اللہ راضی نہیں ہے۔ جب دل میں پریشانی ہو' دنیا میں آپ تنہا تنہا محسوس کریں اور اضطراب بڑھے تو آپ استغفار پڑھتے جائیں اور کہیں یا اللہ توبہ' ہر چیز کی توبہ۔ اسی طرح اگر آپ کو تسکین آنا شروع ہو جائے تو کہیں الحمد للہ' یا اللہ تیرا شکر ہے' غریبی ہے لیکن اطمینان ہے۔ اس لیے آپ اپنا خیال رکھو۔ اپنے سے نیچے لوگوں کا خیال رکھو تو آپ کو بہت سا سکون مل جائے گا۔ اگر آپ 'Well-placed' امیر لوگوں کی طرف دیکھیں گے تو خود 'Ill-placed' ہو جائیں گے' نیچے ہو جائیں گے۔ اپنے آپ پر مختلف عقیدوں کا بوجھ ڈال دینا' فارمولوں کا بوجھ ڈال دینا' ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دینا اور عبادتوں کی پریشانیوں کا بوجھ ڈال دینا' خود کو مصیبت میں ڈالنا ہے۔ اس لیے اپنے لیے ایک ہی بات رکھو کہ ہم محبت کے لیے پیدا ہوئے ہیں' اللہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ میں اور میرے فرشتے محبت ہی کر رہے ہیں' تم بھی محبت کرو۔ تو محبت ادھر رکھو' فرائض پورے کرتے جاؤ' جتنا حاصل ہو گیا ہے اس پہ راضی ہو جانا' تھوڑی سی اور کوشش بھی کر لینا لیکن اپنے آپ کو کبھی کسی فارمولے کے بوجھ میں نہ ڈال لینا۔ اس طرح آپ پریشان ہو جائیں گے۔ کبھی زیادہ پریشان نہ ہونا ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ صحت کی بجائے

بیماری میں چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر فضل کرے، آپ کے وجود کی بھی پاکیزگی ہو جائے اور خیال کی بھی صفائی ہو جائے۔ تو نہ خیال میں کوئی چیز اٹک جائے اور نہ وجود کو کچھ ہو، یہ دعا ہونی چاہیے اور یہ کافی ہے۔ اس لیے اس بات کا بہت خیال رکھنا۔ اسلام کو اس طرح بیان کر دیا گیا ہے جیسے اسلام کسی وزن کا نام ہے حالانکہ اسلام لُطف کا، آسانی کا نام تھا۔ زندگی تو اللہ نے پیدا کی ہے، اس میں غیر کیا ہے۔ جب زندگی اللہ کا عمل ہے تو اس میں غیر کدھر سے آ گیا۔ تو اللہ کا یہ ایک عمل ہے کہ آپ کو زندگی دی ہے، اس سفر پر اللہ نے بنفس نفیس آپ کو بھیجا ہے، یہ زندگی کا سفر ہے اور اللہ نے کہا کہ تم اس سفر کو لطف کے ساتھ Enjoy کرو اور میرے والا راستہ اختیار کر لو لیکن آپ اس راستے کو دِقت والا سمجھ رہے ہیں۔ یہ اس لیے ہوا ہے کہ اسے اس طرح بیان کر دیا گیا ہے ورنہ یہ راستہ تو آسانی کا تھا، لُطف کا تھا۔ جن لوگوں کی خانقاہیں ہوتی ہیں ان کو آپ دیکھیں کہ ان کی موت زندہ ہے اور آپ کی زندگی مری پڑی ہے، وہاں مرنے کے بعد بھی ان کے چراغ جلے ہوئے ہیں اور آپ کی زندگی میں چراغ جلانا مشکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا کوئی اور مقام ہے۔ تو انہوں نے زندگی کو موت کے قریب کر کے سمجھا دیا اور موت کو زندگی کے بعد سمجھا دیا۔ بزرگوں کا کمال یہ ہے کہ قبروں میں میلہ لگا دیا۔ تو قبر کے اندر میلہ کمال ہے، قبر موت ہے اور میلہ زندگی ہے۔ تو انہوں نے یہ کمال کیا کہ موت اور زندگی کو اکٹھا کر کے دکھا دیا۔ اور آپ کے ہاں زندگی میں موت آئی پڑی ہے۔ انہوں نے موت کو خوبصورت بنا دیا، موت کو خوشنما بنا دیا، اندھیرے کو روشنی بنا دیا۔ یہ کمال ہے! یہ حضور پاک ﷺ کی محبت کا اعجاز ہے کہ موت کے اندر زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو آپ یہ محبت اپنے دل میں پیدا کریں،

اور درود شریف کو محبت سے پڑھتے جائیں۔ اگر درود شریف کا مفہوم سمجھ نہیں آتا
تو صرف محبت کافی ہے اور محبت جب آپ کے دل میں پیدا ہو جائے تو سارا
اسلام Clear ہو گیا ورنہ آپ فارمولے کے مطابق کہیں گے کہ اب میں نیکی
کرنے جا رہا ہوں' آج میں تبلیغ کرنے جا رہا ہوں اور آج عبادت کرنے جا رہا
ہوں......اب آرام سے گھر بیٹھیں اور اپنے عمل کے صالح ہونے کا انتظار کریں'
دعا کے ساتھ' استغفار کے ساتھ اور الحمدللہ کے ساتھ۔ پھر اللہ بہتر کرے گا اور
آپ کی قریب کی زندگی میں ساری بات ظاہر ہو جائے گی۔ آپ کی اُنسیت کا جو
دائرہ ہے اسی کے اندر ساری زندگی ہے یعنی آپ جن لوگوں سے مانوس ہیں انہی
لوگوں کے حقوق آپ نے تلف کیے ہیں اور انہی لوگوں نے آپ کو نیکی کا موقع
دیا ہے۔ اجنبی لوگوں سے تو آپ کا بہت کم واسطہ پڑا ہے' کافروں کے ساتھ بھی
واسطہ نہیں ہے' ان کی آپ نے صرف کتابیں پڑھی ہیں اور آپ کا لین دین
صرف چند احباب کے ساتھ ہے' اسی میں آپ نے ملاوٹ کی ہے' یا رشتے دار
آپ کے تعلق میں ہیں یا پھر چند دوکان داروں سے ہی آپ کا تعلق ہے اور اس
میں ملاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے اگر آپ اپنے دائرے میں مصفا ہو گئے تو
آپ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو گی۔ آپ نے وسیع دنیا میں مصفّٰی نہیں ہونا کہ آپ
کوئی انٹرنیشنل جوگی بن جائیں بلکہ اپنے دائرے میں رہنا ہے۔ میاں بیوی اگر
ایک دوسرے کے ساتھ راضی ہیں' ایک دوسرے کے ساتھ ملاوٹ نہیں کرتے تو
پھر سمجھو کہ وہ بہت نیک لوگ ہیں۔ تو ملاوٹ نہ کرنا' جھوٹ اور سچ کو نہ ملانا۔ اگر
انسان گھر کے اندر ملاوٹ نہیں کرتا تو یہ بہت بڑی بات ہے' صداقت میں ملاوٹ
نہیں کرتا تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ آپ کی اس بہت چھوٹی خواہش کے ساتھ

بھی اللہ کا تعلق ہو سکتا ہے جو ابھی ابھی آپ کے اندر پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے اور جو کہ خواہش پیدا کرتا ہے وہ خواہش کی نگرانی کرتا ہے' حفاظت کرتا ہے اور اس خواہش کے انداز سے آپ کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو دیکھیں تو پھر آپ کو سمجھ آجائے گی کہ اللہ کے ساتھ آپ کا تعلق کیا ہے۔ اس لیے اپنی زندگی میں آپ نے جتنا کچھ حاصل کیا ہے اسی کو کافی سمجھو' آج کے دن ابھی کی گھڑی میں اس کو کافی سمجھتے ہوئے اپنے اللہ کو اپنے راضی ہونے کی اطلاع کر دو اور کہو کہ یا اللہ تو نے جو کچھ اب تک ہمیں دیا ہے' ہم اس پہ مکمل طور پر راضی ہیں۔ یہاں پر ''لیکن'' نہ کہنا بلکہ یہ کہنا کہ ''ضروریات اور وسائل کی جو ہماری زندگی ہے ہم اس پر راضی ہیں اور دل سے راضی ہیں''۔ اگر آپ دل سے راضی ہیں تو سمجھو کہ یہ آپ کے سفر کا آغاز ہو گیا۔ اور آپ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا اور سوال کرنے کا سلسلہ ترک کر دو' پھر دیکھو وہ کیا دیتا ہے۔ آپ کسی محفل میں کوشش کریں گے تو جگہ مل جائے گی' کوشش کر کے آپ آگے آگے بیٹھ سکتے ہیں اور ایک آدمی جو پیچھے بیٹھا ہوا سے آواز دے کر آگے بلایا جا سکتا ہے۔ تو یہ اللہ کے کام ہیں۔ زندگی میں آپ کو کبھی موقع مل جائے گا جب وہ آپ کو آواز دے کے بُلا لے گا کہ چل بھئی تیرا حج قبول ہو گیا ہے' تیاری کر...... اس لیے آپ اپنے آپ کو خود نمایاں نہ کرو' اللہ آپ کو نظر انداز نہیں کرے گا۔ آپ یہ کر کے دیکھو تو آپ کو سمجھ آجائے گی۔ وہ اگر نظر انداز کرنے والا ہوتا تو آپ کو پیدا ہی نہ کرتا' اور بھول جاتا' نظر انداز کرنے والا ہوتا تو بیمار نہ کرتا اور صحت کو قائم رکھتا' جوانی بڑھاپے میں نہ آتی اور قائم رہتی' نظر انداز کرنے والا ہوتا تو دور سے سگنل نہ دیتا جو وہ اب دے رہا ہے۔ تو وہ نظر انداز نہیں کرتا' آپ کے اوپر پوری Investment ہوئی پڑی

ہے۔ اس لیے آپ اس بات سے کبھی غافل نہ ہونا اور اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ وہ نظر انداز کر گیا۔ وہ نظر انداز بالکل نہیں کرتا اور آپ کے ساتھ ساتھ، آپ کے دل کے ساتھ ساتھ ہے۔ اس لیے غور کرو کہ کیا اس نے آج تک نظر انداز کیا؟ بالکل نہیں گیا۔ کیا آپ اس کے خیال سے غافل ہوئے؟ ضرور ہوئے۔ آپ نے اُسے نہیں مانا تب بھی آپ اس کے خیال میں ہو اور مانا تو تب بھی اس کے خیال میں تھے۔ لہٰذا آپ کی زندگی اُسی کے دم سے ہے۔ آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کے لیے دونوں کھیل برابر ہیں۔ آپ بس اللہ تعالیٰ کو اپنی رضامندی کی اطلاع کردو کہ یا اللہ ہم راضی ہیں، جو تو نے کیا ہم راضی ہیں اور جو ہم سے غلطی ہوگئی وہ تُو معاف فرما۔ پھر یہ کہ گھر کی قریبی زندگی میں آپ اللہ کا فضل دریافت کریں، اسی قریبی دائرے میں دیکھیں، اگر آپ دائرہ اور قریب کرتے جائیں گے تو عین ممکن ہے کہ آپ کو "حبل الورید" کا دائرہ نظر آ جائے۔ دور کے دائرے سے ساری دنیا کے اندر اللہ دریافت ہوسکتا ہے، کسی ایک ملک میں دریافت ہوسکتا ہے، پاکستان میں دریافت ہوسکتا ہے، پاکستان کے کسی شہر میں دریافت ہوسکتا ہے، شہروں میں لاہور شہر تو ویسے ہی اچھا ہے اس میں بھی دریافت ہوسکتا ہے، یہاں سے پھر اپنے گھر اور اپنے دائرے میں آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ آپ کو عین سلامتی عطا کرے تو یہاں بھی دریافت پیدا ہو جائے گی۔ اصل میں اپنے سجدے میں محو ہو جانے سے آپ کو دریافت ملے گی، آپ سجدہ کے وقت بھول جاؤ کہ سجدہ کب ختم کرنا ہے۔ کبھی آپ ایک بار ایسا کر جاؤ تو آپ کو ساری داستان سمجھ آ جائے گی کہ قصہ کیا ہے۔ سجدے میں سر رکھنا اور پھر

جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اٹھنا یاد ہے
پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو ہوش تھا

اگر آپ ایک بار سجدہ کرتے ہوئے غافل ہو کے بھول جاؤ اور اپنی مرضی سے سر نہ اٹھاؤ تو آپ کو بات سمجھ آ جائے گی۔ یہ ایک طریقہ ہے۔ دوسرا ایک بہت پرانا طریقہ آپ کو بتایا ہوا ہے کہ سب دشمنوں کو فی سبیل اللہ معاف کر دیں۔ جس نے آپ کی جیب کاٹی ہے، جس نے آپ کو نقصان پہنچایا ہے، اسے معاف کر دیں اور ہر ایک کو معاف کر دیں۔ جس کے ساتھ آپ نے زیادتی کی اس سے معافی مانگ لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی زندگی میں یوں کامیاب فرمائے کہ اس زندگی کو اللہ تعالیٰ خود ہی قبول فرمائے اور آپ کی کمزوریوں پر مہربانی فرمائے......

تو یہ ہے ہر مشکل کی چابی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے پکارنے کا نام ہے، آپ اسے پکاریں اور یہ دیکھیں کہ کس حال میں پکار رہے ہیں۔ اس لیے دعاؤں پہ زور نہ دو بلکہ رضا پہ زور دو۔ اگر کچھ نہیں ہے تو کہو کہ تیری مہربانی ہے، کل بھی کچھ نہ ہوگا، تو بھی مہربانی ہے...... مہربانی وہ ہے جو تُو تسلیم کر لے اور اگر تسلیم نہ کرو تو مہربانی ہے ہی نہیں...... کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کہتے ہیں نقصان ہو گیا، اللہ نے کیا کیا...... ایسے لوگ اپنی زندگی میں کمی کو دریافت کرتے رہتے ہیں کہ یہ نقصان ہو گیا، وہ نقصان ہو گیا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ آپ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو یہ کہتے ہیں کہ یا رب العالمین تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں انسان بنایا، مسلمان بنایا، ایمان کی دولت عطا فرمائی اور اپنا تقرب عطا فرمایا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اس زندگی میں ٹھہرنا ممکن نہیں ہے اور آخری وقت میں آپ نے ایک نام، ایک لفظ کہہ کے نکل جانا ہے، تو

وہ نام اللہ کا ہونا چاہیے۔ نکل آپ نے ضرور جانا ہے۔ اگر آپ کو یک لخت نکال دیا جائے تو ایسا نہ ہو کہ آپ کی زبان سے دنیا کا کوئی لفظ نکلے۔ یک لخت ایک آواز آئے گی اور نکلتے وقت آپ کی یہ آواز نکلنی چاہیے کہ ''اللہ''! تو آخری سانس میں آپ کی جو حالت ہوگی وہی آپ کی عاقبت ہوگی اور آخری سانس کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ یہ خیال ضرور رکھیں۔ اس لیے اب جو آپ کا انداز ہے یہی آپ کی عاقبت ہے' اب جو آپ کی کیفیت ہے یہی آپ کی عاقبت ہے۔ تو اپنی موجود کیفیت کو اپنے انداز کی عاقبت بنالو۔ آپ کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ اگر آپ بہشت میں ہوں گے تو وہاں کیا کریں گے' وہاں بھی ذکر کریں گے' اللہ اللہ کرتے جائیں گے۔ تو اپنی موجود حالت کو عاقبت سمجھو۔

اللہ آپ کی زندگی کو اچھا رکھے' اس میں کوئی کمی بیشی نہ رہے' جو علم آپ نے حاصل کیا ہے یہ اس کی مہربانی ہے' جو دولت حاصل کی ہے یہ بھی اس کی مہربانی ہے۔ دولت تب مہربانی ہے اگر آپ سخی بنیں۔ دولت اگر سخاوت کرائے تو مہربانی ہے اور دولت اگر بخیل بنا دے تو عذاب ہے۔ اس زندگی کو آپ نے خود بنایا ہے۔ اپنے آپ کو فلاح میں رکھو یعنی اگر اللہ آپ کو تھوڑی دیر کے لیے اختیار دے دے کہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر لو' لکھ لو' جو مرضی لکھ لو۔ تو آپ کیا لکھو گے؟ بخشش' فلاح' جو بھی لکھنا ہے لکھ لو۔ تو آپ اپنی زندگی کا ابھی سے جو نام رکھ لو گے وہی نام رہے گا' اور یہ نام آپ نے رکھنا ہے کہ مسلمان ہیں؟ فلاح والے ہیں؟ عاقبت بہتر ہے؟ اللہ کی محبت میں ہیں؟ اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت ہے؟ اگر یہ سب ہے تو فلاح ہے۔ آپ کہو یا اللہ اپنے محبوب ؐ کی محبت عطا فرما۔ یہی دعا سب سے بڑی ہے! اگر آپ نے حضور پاک ؐ سے کوئی سوال کرنا ہو تو کہیں کہ

مجھے اپنے رب کا راستہ عطا فرمائیں۔ اس کے علاوہ باقی سب حجاب ہے۔ دنیا کی ضرورتیں پوری کرو، اپنی بھی پوری کرو، اللہ آپ کو توفیق دے۔

اب دعا کرو ...... دعا یہ کرو کہ یا رب العالمین ہم سب پر رحم فرما، مسلمان ہونے کی حیثیت سے رحم فرما، پاکستانی ہونے کی حیثیت سے رحم فرما، آنے والے واقعات آسان فرما، جانے والے واقعات آسان فرما، جو حالات موجود ہیں وہ آسان فرما، جو ضروریات ہم اختیار کر بیٹھے ہیں وہ پوری فرما اور آئندہ ہم دھیان کریں گے۔ فی الحال ہماری آرزوئیں پوری فرما۔ تیری مہربانی۔

صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و مولٰنا حبیبنا و شفیعنا محمد وّاٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین.

ترتیب: ڈاکٹر مخدوم محمد حسین

تصانیف

واصف علی واصفؒ

1	کرن کرن سورج	(نثر پارے)
2	دل دریا سمندر	(مضامین)
3	قطرہ قطرہ قلزم	(مضامین)
4	شب چراغ	(اردو شاعری)
5	The Beaming Soul	(Aphorisms)
6	Ocean in a drop	(Essays)
7	بھرے بھڑولے	(پنجابی شاعری)
8	شب راز	(اردو شاعری)
9	بات سے بات	(نثر پارے)
10	گمنام ادیب	(خطوط)
11	حرف حرف حقیقت	(مضامین)
12	مکالمہ	(مذاکرے، مقالات، انٹرویو)
13	دریچے	(نثر پارے)
14	گفتگو۔۱	(سوال جواب)
15	گفتگو۔۲	(سوال جواب)
16	گفتگو۔۳	(سوال جواب)
17	گفتگو۔۴	(سوال جواب)
18	گفتگو۔۵	(سوال جواب)
19	گفتگو۔۶	(سوال جواب)
20	گفتگو۔۷	(سوال جواب)
21	گفتگو۔۸	(سوال جواب)
22	گفتگو۔۹	(سوال جواب)
23	گفتگو۔۱۰	(سوال جواب)
24	گفتگو۔۱۱	(سوال جواب)
25	گفتگو۔۱۲	(سوال جواب)
26	گفتگو۔۱۳	(سوال جواب)
27	گفتگو۔۱۴	(سوال جواب)
28	گفتگو۔۱۵	(سوال جواب)

کاشف پبلی کیشنز ۳۰۱ - اے، جوہر ٹاؤن - لاہور
http://www.wasifaliwasif.com